

خوشبوء غزل

صحرا کی سرزمین گلوں سے سنور گئی
آخر ہمارے درد کی خوشبو بکھر گئی

فاطمہ تاج

خوشبو ۽ غزل

صحرا کی سرزمین گلوں سے سنور گئی
آخر ہمارے درد کی خوشبو لکھر گئی

فاطمہ تاج

تاریخ و سن اشاعت

مارہ اول

کتابت

طباعت

ترتيب وترتيب

ناشر

۵۰۰
شفیع اقبال

اعجازِ یہ تنگ پیرس۔ چھتہ بار از حد آباد ۲

فاطمہ تاج

فقط

قیمت : ۵ روپے

● جمہوری تعاون اُردو و اکیڈمی، آندھرا پردیش

کتاب ملنے کے بعد

* حسامی بک ڈیلو۔۔۔ مچھلی کمان۔۔۔ پتھر گٹی۔ حیدر آباد ۳

ۛ الكتاب - — میوړ کوشل. عاډس ۱۱۵-A، حیدرآباد ۵۰۰۰۵

✽ مکتبہ شاداب — 147-5-11، ریڈ ہل، حیدرآباد۔ ۱۰۰۰۰۵۰

* مکتبہ جامعہ — جامعہ نگر، نئی دہلی۔

* مصنفہ . ————— ۳۳۹-۳-۲۲، میرحک، مگر باؤلی، حیدرآباد ۲

قانون نمبر: 521948

* "کبکشان" - ۸۲۴/۷ - ۱۱ - ۳ - ۱۱ - جدید طے غنی - حیدر آباد ۱۰۰۰۰۵

(فون : 228802)

ترتیب و ترتین

- ۹ * عکسِ نظر صلاح اللہین تیر
- ۱۵ * خوشبوئے غزل کے ساز و آہنگ ————— فریدہ زین
- ۲۰ * کچھ اور چاہیئے دستِ مرہیاں کیلئے ————— فاطمہ تاج

مذہبی شاعری

- ۳۸ • سانس لینا بھی مرا ایک سہرا ہے شائد
- ۳۹ • میں خود بھی ایک درد کی دنیا ہوں کیا کروں
- ۴۰ • آج اس طرح کسی کی مجھ یاد آئی ہے
- ۴۱ • سب امتیازِ دیر و حرم چھوڑ جائیں گے
- ۴۲ • میں نے لکھ رکھی تھی کتابِ دل بھی تم نے سکوپڑھائیں
- ۴۳ • رازِ دالِ ہوس گئے ہیں کچھ لمحے
- ۴۴ • اے گلشنِ حیات سنو رنا ضرور ہے
- ۴۵ • اس طرح انقلاب آوے ہے
- ۴۶ • اب کے ایسے پکار چکے سے
- ۴۷ • زندگی یوں تو بے ثبات ملی
- ۴۸ • سانس کی طرح بے رک گئے ہم کبھی دل کی۔
- ۴۹ • صورت کبھی ہم دھڑکتے رہے۔
- ۵۰ • چمن کا دیکھا نظارہ تو آنکھ بھرائی
- ۵۱ • وہ زندگی سہارا ہے اور کچھ بھی نہیں
- ۵۲ • قفس میں رنگِ گلستاں نہیں تو کچھ بھی نہیں
- ۵۳ • عموں ہوا تھا ترے قدموں کی صدا تھی
- ۵۴ • اندھیرا مانا ہمیں آدما رہتا ہے
- ۵۵ • مولا تو صداقت کا طلب گار بنادے
- ۵۶ • بڑھ گئے ہیں کسی قدر ظلم و ستم یا مصطفیٰ
- ۵۷ • ٹوٹے ہوئے دلوں کے غمخوار آپ ہی ہیں
- ۵۸ • روزِ ازل سے آقا عالی مقام تم ہو
- ۵۹ • ہم نے خدا کو جانا فیضانِ مصطفیٰ سے
- ۶۰ • کبھی یہ نہ کہنا ہمارے تمہارے
- ۶۱ • کب تک رہوں میں یونہی تنہا سلام لہجے
- ۶۲ • پھر انقلابِ شام و بحر میرے ساتھ ہے
- ۶۳ • میرا لمحہ مسکلتے ہوئے منظر کی طرح ہے
- ۶۴ • آئینہ نہ تھے پھر بھی یہاں ٹوٹ کے بکھرے
- ۶۵ • اپنی ہی طرح مجھ کو اے مہرباں بنادے
- ۶۶ • خاموشیوں کو میری زباں دے گیا ہے کون
- ۶۷ • عروجِ درد کی منزل ہے کیا کیا جاوے

- ۷۸ • ملے رہتے ہیں کئی لوگ مگر کیا کیجیے ۵۴ • جنہیں لوگ اہل سخن بولتے ہیں
- ۷۹ • ہم خواب پریشان ہیں نگاہوں میں ملیں گے ۵۵ • ہر شخص ترے غم کا خریدار لگے ہے
- ۸۰ • چراغ تو ہیں بہت ان میں روشنی ہے کہاں ۵۶ • گھر اپنا کسی گھوکے برابر نہیں دیکھا
- ۸۱ • رہتے ہیں گلستاں میں بھی ہم کتنے لکھلے ۵۷ • ہر لمحہ ترے غم سے ستورے رہے ہم لوگ
- ۸۲ • اب ضبطِ مسلسل کے سوا کچھ بھی نہیں ہے ۵۸ • گزری باتوں کو بھول جانے دے
- ۸۳ • چاہا تو نہیں تھا کہ ترے بارے میں سوچوں ۵۹ • زندگی دیکھ تلامس سے گزرائے ہیں
- ۸۴ • سس نے کہا تھا تجھ سے یوں سوگوار ہوجا ۶۰ • یہ سچ ہے کہ کچھ لوگ رسوا ہوئے تھے
- ۸۵ • راستہ شمعیں جلا کر تاسمیر دیکھ سکا کون ۶۱ • آئی کدھر سے کالی گھٹا جانتے نہیں
- ۸۶ • یہ منظر یہ جشنِ چراغاں ہے ہم سے ۶۲ • یہ موجِ حوادث ہے جلتی ہی رہے گی
- ۸۷ • زندگی درد کا طوفان ہے نہیں کیا معلوم ۶۳ • ملے کر لیا ہے تحفہٴ فصلِ بہارِ دوں
- ۸۸ • ابھی تو درد کا مہر ہے کوئی نساہ نہیں ۶۴ • لگتا ہے کہ ہم لوگ پریشان رہیں گے
- ۸۹ • اب کسی ہاتھ میں پھر نہیں دیکھے جاتے ۶۵ • یہ شامِ غم مراد من بھگونے والی ہے
- ۹۰ • ایسا نہیں کہ شہر میں اونچے مکان نہ تھے ۶۶ • اس انتہائے درد کی تعظیم کیجیے
- ۹۱ • کچھ بھی تو محبت کے سوا کہہ نہیں سکتے ۶۷ • جب تک ہمارے غم سے تمہیں واسطہ نہ تھا
- ۹۲ • روشن ہے تری راہوں میں دیا..... ۶۸ • غم کو دل سے جدا تو کیا کرتے
- ۹۳ • سب لوگ کہہ رہے ہیں عنایت ہے زندگی ۶۹ • نظامِ دہر میں اب فرقِ خاص و عام کہاں
- ۹۴ • کبھی رشتہٴ دل کے بارے میں سوچوں ۷۰ • پھر سے کئی دیشے مری پلکوں پہ جل گئے
- ۹۵ • دل کے آئین میں پھر اتر آئے ۷۱ • مرے خلوص کو اب تم کبھی نہ ٹھکراتا
- ۹۶ • ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اک راز دے گیا ہے ۷۲ • سلوک آپ کا ویسے بھی اک قیادت ہے
- ۹۷ • جو رازِ محبت ہے وہ سب کھول رہے ہیں ۷۳ • سوچا بھی نہ تھا ہم نے کہ جل جائیں گے اک دل
- ۹۸ • مہر ابھی تو چاہے ہے پھولوں سے سنو جانا ۷۴ • مجھ سے کسی دور رہے یہ ٹھہرا نہیں جاتا
- ۹۹ • دل بہارا قرارہ مانگے ہے ۷۵ • آئینہ لئے پھر کوئی حیراں کھڑا ہے
- ۱۰۰ • اب کیا بتائیں تجھ کو کیوں شادماں ہوتے ہیں ۷۶ • یہ سن رہے ہیں نئے لوگ آنے والے ہیں
- ۱۰۱ • کوئین کی دولت ابھی ٹھکرائی کہاں ہے ۷۷ • اشکوں کے قطرے قطرے کو دریا کریں گے ہم

- ۱۰۲۔ لمحے حیات تو کسے بہت غم تو اذہ ہیں ۱۰۲
- ۱۰۳۔ حدیثِ دہلدا بھی نامحکم رہتے دو ۱۰۳
- ۱۰۴۔ مجھ کو اس نظمِ گلستاں پہ ہنسی آتی ہے ۱۰۴
- ۱۰۵۔ کسی بھی غیر کو تم آسمانِ تیرہ تو نہ دو ۱۰۵
- ۱۰۶۔ چہرے کہاں ہمارے کسی بات سے ہوئے ۱۰۶
- ۱۰۷۔ پھرتے ہیں اب شعلہ بداماں ۱۰۷
- ۱۰۸۔ کبھی روشن یہ رہ گذر نہ ہوئی ۱۰۸
- ۱۰۹۔ ۱۰۹
- ۱۱۰۔ میرِ محفل یہ کس کی یاد آئی ۱۱۰
- ۱۱۱۔ عجب چیز ہے شوق کی ابتدا بھی ۱۱۱
- ۱۱۲۔ بھرتے لگے ہیں اب مرے زخمِ جگر تو کیا ۱۱۲
- ۱۱۳۔ عجب درد ہے یہ عجب زندگی ہے ۱۱۳
- ۱۱۴۔ بلبلِ ارادہ نکل گئے آنسو ۱۱۴
- ۱۱۵۔ برق کو پہلے زیرِ دامن کر دو ۱۱۵
- ۱۱۶۔ جیواں ہیں سب اہلِ کرم، اہلِ ستم بھی ۱۱۶
- ۱۱۷۔ چھپا کے لائے ہیں کیا راز لوگ سینوں میں ۱۱۷
- ۱۱۸۔ کسی کی ہم یہ عنایت ہے کیا کیا جائے ۱۱۸
- ۱۱۹۔ دل کی حالت خراب ہوتی ہے ۱۱۹
- ۱۲۰۔ موسمِ گل پہ اشکِ باری ہے ۱۲۰
- ۱۲۱۔ زندگی کی یہ شام ہے شائد ۱۲۱
- ۱۲۲۔ اس دورِ انتشار کا کچھ بھی سبب نہیں ۱۲۲
- ۱۲۳۔ زندگی احوصلہ تو کرتے ہیں ۱۲۳
- ۱۲۴۔ اب پیشِ نظر میرے نہ منزل نہ سفر ہے ۱۲۴
- ۱۲۵۔ پھر تنگی کے راز سے پردہ اٹھا دیا ۱۲۵
- ۱۔ آئینہ نہیں لوگ دکھاتے رہے اکثر
- ۲۔ کبھی بہاویں، کیا موسم
- ۳۔ کوئی بھی شے مجھے مجبور کر نہیں سکتی
- ۴۔ چمن کی نضا کب کسے اس آئی
- ۵۔ ہم فکر کے صحرائیں بھٹکتے نہیں رہتے
- ۶۔ منزل کا پتہ نقشِ قدم بول رہے ہیں
- ۷۔ آتشِ غم کو آبِ منت سمجھو
- ۸۔ بہارِ غم اُلفت میں ایسے بھی نکلتے ہیں
- ۹۔ مری سمت جب اک نگاہِ غضب تھی
- ۱۰۔ کوئی مریخِ غم دل کے اندر نہیں ہے
- ۱۱۔ خوابوں میں اُجالوں کا اثر دھونڈ رہے ہیں
- ۱۲۔ کھل گئے پھر سے آرزو کے کتاب
- ۱۳۔ ہم اس طرح آنسو بہانے لگے ہیں
- ۱۴۔ جھوٹی تسلیاں مجھ اے چارہ گرد دے
- ۱۵۔ جنرل کی شمعیں جلاؤ تو کوئی بات بنے
- ۱۶۔ یہ ہم نے چاہا ہے اب تم کو آزمائیں گے
- ۱۷۔ کس نے چھیڑا یہاں پہ سازِ حیات
- ۱۸۔ ناکردہ خطاؤں کی سزا ایسی ملی ہے
- ۱۹۔ ہر سمت بہادریں ہی کے چرچے ہیں ابھی تک
- ۲۰۔ رہ سفر میں ابھی انتشار اتنا ہے
- ۲۱۔ جلتی سی مری آنکھوں میں اشکوں کی نمی تھی
- ۲۲۔ وہ زخم لے ہیں کہ بھلائے نہیں جاتے
- ۲۳۔ بدادائے زخمِ جگر کمر رہے ہیں
- ۲۴۔ ہر شخصِ زندگی کا طلبگار ہو گیا

- ۱۴۳۔ زخموں کے گلسٹائی کھچی دیر لیں نہیں ہوتے۔
- ۱۴۴۔ اُجالا سا ہم کو نظر آ رہا ہے۔
- ۱۴۵۔ عمر بھر کرتے رہے ہیں ہم بھی ارمانِ حیات۔
- ۱۴۶۔ ہم آبلہ پانی کی بھی پیر دا نہیں کرتے۔
- ۱۴۷۔ یہ اہتمامِ عقیدت تو اک بہانا ہے۔
- ۱۴۸۔ جو تجھ پہ گزری ہے وہ سب یہ آتشکانہ کر۔
- ۱۴۹۔ پہلے فیضِ دل گزارے ہیں فیضِ بہار کے۔
- ۱۵۰۔ ہوتی ہے زمانے سے مری بلات ابھی تک۔
- ۱۵۱۔ یہ وقت اگر تجھ سے یوں انجان رہے گا۔
- ۱۵۲۔ روشن کہاں ہیں آپکے نقشِ قدم ابھی۔
- ۱۵۳۔ عالم ہے شبِ غم کا یہ تنہائی بہت ہے۔
- ۱۵۴۔ آنکھوں میں بسا لیں تجھے یا دل میں سجائیں۔
- ۱۵۵۔ پھر چاند تارے بھی نظر آنے لگے ہیں۔
- ۱۵۶۔ دنیا سے ہیں شکوے شکایات کہاں ہیں۔
- ۱۵۷۔ رستہ ہمارے سامنے مانا دغا کا ہے۔
- ۱۵۸۔ کب اپنا شبِ غم سے تصادم نہیں ہوتا۔
- ۱۵۹۔ برس رہا ہے پھر ابر بہار آنکھوں میں۔
- ۱۶۰۔ ضیاعِ الم ہمارا، طرزِ وفا ہمارا۔
- ۱۶۱۔ سیکھا نہیں حالات سے ہم نے کبھی ڈرنا۔
- ۱۶۲۔ وابستہ تری یاد سے ہم ایسے رہے ہیں۔
- ۱۶۳۔ میں درد کا دریا ہوں اک آنسو کا قطرہ ہوں۔
- ۱۶۴۔ نہیں یاد ہم کو کہاں ہم نے دیکھے۔
- ۱۶۵۔ دیکھے میرا فیضِ جبین۔
- ۱۶۶۔ اُجالوں کے کرتے ہیں سامان کیا کیا۔
- ۱۴۹۔ تکمیلِ تمنا کا اثر دیکھ رہے ہیں۔
- ۱۵۰۔ ذکرِ رنج و الم نہیں کرتے۔
- ۱۵۱۔ خیال میں اپنے نہ اب رنگ و بو ہے۔
- ۱۵۲۔ اُس وقت اپنا جینا بھی کتنا عذاب تھا۔
- ۱۵۳۔ ہماری فکر و نظر میں تو انقلاب نہ تھا۔
- ۱۵۴۔ کیوں شوقِ انقلاب میں دانائیاں نہیں۔
- ۱۵۵۔ پھر گردشِ دوروں نے کیا ہے یہ اشارہ۔
- ۱۵۶۔ سوئی تھی تیری راہ گزر کس کو بولتے۔
- ۱۵۷۔ غمخیزوں نے فسانے سنا دیئے کتنے۔
- ۱۵۸۔ پھر سمندر فریب دیتے ہیں۔
- ۱۵۹۔ نظرِ نظر میں جہاں اُن سے بات ہوتی ہے۔
- ۱۶۰۔ ماتمِ بال و پر سے کیا ہو گا۔
- ۱۶۱۔ دل میرا لالہ زار کتنا ہے۔
- ۱۶۲۔ میری صدایوں کو بج رہی ہے۔
- ۱۶۳۔ ناخدا چھوڑ گیا تھا بڑی دانائی سے۔
- ۱۶۴۔ آپ کو غمگسار کرنا ہے۔
- ۱۶۵۔ گلشن میں بہاروں کے یہ آثار ملے ہیں۔
- ۱۶۶۔ ہم سے پوچھو نہ کیوں ہیں ہم دیدہ۔
- ۱۶۷۔ کول کہتا ہے رات باقی ہے۔
- ۱۶۸۔ انہیں اعتبارِ محبت کہاں ہے۔
- ۱۶۹۔ یہ احساس مجھ کو لانا رہا ہے۔
- ۱۷۰۔ مے رقص میں ماحول کا انداز مسلسل۔
- ۱۷۱۔ نہ رزقی دیکھ کیا تماشا ہے۔
- ۱۷۲۔ زندگی موجِ غم تھی چلتی رہی۔

عکسِ نظر

ہر شعر گُل تر ہے مگر سوچ رہا ہوں
تہذیبِ نظر ہے کہ یہ خوشبوئے غزل ہے

روشن مستقبل سے فیضیاب ہونے والی نایاب شخصیتِ چاہے وہ زندگی کے کسی بھی شعبہ سے تعلق کیوں نہ رکھتی ہوں کسی نہ کسی طرح اپنے فکر و خیال کی روشنی پھیلاتی ہوئیں باصلاحیت اور با شعور ہونے کا احساس دلاتی رہتی ہیں اور پھر جن شخصیتوں کی ہنرمندی، پتھر کو آئینہ، مٹی کو سونا، کانٹوں کو پھول اور تاریکیوں کو اُجالوں کا لباس فخرہ پہنا ہو اُن کے دل و دماغ کی روشن یکمیں سارے ماحول کو مُردہ بنا دیتی ہیں، جن کے جذبات، خیالات، مشاہدات اور تجربات کی تیز رو معاشرے کے رگ و پے میں کچھ اِس طرح در آتی ہے کہ صبح و شام، روز و شب اور تمام ساعتوں کی بُر بہار و سعیتِ کائنات کے ذرہ، ذرہ میں پھیل جاتی ہیں۔ اپنے وجود اپنی شخصیت کو منوانے والے ایسے لوگ مشاہدات اور تجربات کی گلیوں اور شاہراہوں سے گزرتے ہوئے نظر شناسوں کے دامن میں پھیل جاتے ہیں، اُن پھولوں کے لئے جو تمام صحتِ چمن کو تازگی سے عطر سیر کرتے ہوئے اپنی قطری خوشبو سے مہکتے ہیں۔ اُن تمام نرد فشاں لمحات سے ایک ایسے فنکار کی ذات بھی وابستہ ہو جاتی ہے جس کو قدرت نے گُلِ اقتضائی سے نوازا ہے۔

شعروادب کے نبض شناسوں، تہذیبی اقدار کے پارکھوں اور قدرت کی انمول نعمتوں کو دوسروں تک پہنچانے والوں کی دنیا عجیب ہوتی ہے جو

کبھی تو پھول برساتی ہے اور کبھی آنسو بہاتی ہے۔

فنکار کی دنیا پُر ہجوم، ہنگاموں میں رہ کر بھی تنہا رہتی ہے۔ تنہا وہ گرہی گردشِ دُور کی ہم رکاب رہتی ہے۔ تمام موسموں کی نرمی و گرمی سے گزرتی ہوئی فنکاروں کی ذات مشکل پسند دکھائی دیتی ہے۔ راستوں سے گزرتے ہوئے بھی منزل شناسی کا ادراک رکھتی ہے۔ اس کی ساری بولائی طبع، تلاش پر مرکوز ہوتی ہے۔ تلاش، تجسس، جستجو اور کچھ اور کی خواہشِ ناتمام تخلیق کار کو جینے کا حوصلہ دیتی ہے۔ دیدہ ورون بلند قامتوں، مرثاسوں اور ادیبی اُردن بھرنے والوں کی طویل فہرست میں کچھ ایسی شخصیتوں کے نام بھی ملتے ہیں جو اپنی ذات اور اپنی پہچان کے لئے ذاتی محنت، شخصی کاوشوں اور اپنی عمدہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہیں۔ جن کی سوچ و فکر کی گرمی، تہذیبِ نظر کی پاکیزگی اور حسنِ طبیعت کے پُر اثر نقوش نے دامنِ شعر و ادب کو عطر بیز کر دیا ہے۔ ایسی ہی

فہرست میں ایک اہم نام فاطمہ تاج کا بھی شامل ہے۔ فاطمہ تاج نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں، لب کشائی کی، بولنا سیکھا، رنگینا اور چلنا شروع کیا وہ ماحول علم پرور بھی تھا، فن گریہ بھی۔ روشن خیال بھی تھا، بنیاد پسند بھی۔ لیکن فطرت کی بلند قامتی نے فاطمہ کو بلند پروازی کے لئے اُکسایا، حوصلہ اور دامن کشاں دلوں قسم کے حالات میں فاطمہ نے اپنے کو زندہ رکھا۔ تہذیبِ علم و فن نے شخصیت کے حد و خال کو نکھارا۔ ابتدائی دنیا جو پھول چھنے اور دامن چھڑانے کے معصوم جذبوں سے بے بہرہ تھی۔ فاطمہ کے فکر و خیال میں رنگ بھرنے لگی۔ کاغذ کے سینکڑوں پرزے، لکھے، منظر، سنبھال سنبھال کر رکھنے اور چاک کرنے کے علم نے راحت فراغت کشش سے اپنی پہچان بڑھائی۔ ان میں کچھ پرزوں کو تو ہوا میں لے اڑیں اور کچھ پرزے فنکار کے دامن سے لپٹے رہے۔ دامن سے لپٹے ہوئے پرزوں کو کھٹکھٹانے کی خواہشِ موسمی کی گرم

ہواؤں سے نظریں ملانے ہوئے آگے بڑھتی رہی۔ تازہ ہواؤں کی حیات افروز لہروں نے خیالات میں جولانی اور قلم میں روانی پیدا کر دی۔ قلم کا یہ رشتہ دیرینہ اور مضبوط ہوتے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے فیض رسا الہامی بشارتوں نے آبِ رواں کی طرح آئینہ صفت، پاک و شفاف تحریروں کو جنم دیا۔ وہ تحریریں جو شعر و ادب کی دنیا میں ان گنت رنگ کے پھول کھلانے کا شردہ سندانے والی تھیں کبھی عیاں ہو کر اور کبھی نہاں رہ کر ظہور پذیر ہونے لگیں۔ اسی طرح دھوپ چھاؤں کے ماحول میں دن گزرتے گئے۔ منتشر تحریروں اور بالترتیب تخلیقات کے ذخیروں میں اضافہ ہوتا گیا۔ پھر قلم لگنے اور نظروں کو چکا چوند کرنے والے حالات نے لہلہاتے ہوئے پودوں کی بالیدگی، کلیوں کے پھول بننے کے فطری عمل کو دشوار گزار مرحلوں کے حوالے کر دیا۔ پھر بھی فنکار کی ہمت نہیں ٹوٹی۔ فنکار زندہ رہا۔ کلی کا وہی پودا آج کا تندر دخت بننے کے لئے فناء کے دوش پر اڑ رہا ہے۔ موسم سازگار ہے۔ حالات موافق ہیں فطرت ساتھ دے رہی ہے۔ شوق و ذوق کی اس تازہ روی نے پوریج راستوں کو بھی ہموار بنا دیا ہے۔ موسمِ باراں کی معطر فضا، تلاشِ مسلسل کی منزلوں سے روشناس کر رہی ہے۔ ایسا منصب اُن ہی قلمکاروں کے حصّہ میں آتا ہے جن پر خدا ہمیشہ مہربان رہتا ہے۔ فاطمہ تاج پر بھی خدا مہربان ہے۔ ان کا شعری و ادبی سفر جاری ہے خوشبو کے سفر کی طرح۔

فاطمہ تاج محفلِ خواتین کی دین ہیں، محفلِ خواتین، شعر و ادب کے پیر ہیں تازہ کو آراستہ کرنے کا پہلازمینہ ہے۔ روزنامہ ”سیاست“ نے ایک مادرِ مہربان کی طرح پھلنے پھولنے کا موقع دیا۔ مختلف موضوعات پر نمایاں طور پر تحریریں شائع ہوئیں۔ غزلوں کی اشاعت کے لئے بھی سیاست کا دامن ہمیشہ کشادہ رہا۔ دانشورانِ فکر و فن کی حوصلہ افزائی نے قلم کو طاقت بخشی، ذہن و فکر کو تازگی عطا کی۔ لکھنے اور سننے

میں اعتماد پیدا ہو گیا۔ پھر وہ منتشر تحریریں جو مختلف پمزدوں کی شکل میں محفوظ تھیں کتابی شکل اختیار کرنے لگیں۔ یہ تحریریں کبھی شعر کی صورت میں اور کبھی نثر کی شکل میں منظر عام پر آتی رہیں۔ چار کتابوں (اب کے برس۔ شاعری) امانت، (مضامین، خاکے وغیرہ) آس پاس (افسانے) دلاسا (طنز و مزاح) کے بعد پانچویں کتاب ”نوشبوئے غزل“ (شاعری) منظر عام پر آ رہی ہے۔

فاطمہ تاج نے بھی بعض اہم قلم کاروں کی طرح اپنے لئے ایک الگ راہ بنالی ہے۔ تین برس میں پانچ کتابوں کی اشاعت، فاطمہ تاج کی شعرو ادب سے گہری وابستگی، بولائی طبع اور مستقل حراجی کی زندہ نشانی ہے۔ فاطمہ تاج کی تیز روی یہ کہنا چاہتی ہے کہ ”کل کس نے دیکھا ہے“ — فاطمہ تاج نے جہاں ایک باصلاحیت ادیب کی حیثیت سے ادبی حلقوں میں اپنی مقبولیت کے بے شمار چراغ روشن کئے ہیں وہیں ایک باشعور شاعرہ کی حیثیت سے بھی اپنا ادنیٰ مقام بنالیا ہے۔ فاطمہ کی زود گوئی چل رہی ہے۔ نثر میں ہو کہ شاعری میں اپنی مثال آپ ہے۔ برجستگی فاطمہ تاج کا ایک خاص وصف ہے۔ کوئی موضوع کیوں نہ ہو اُن کی دسترس سے باہر نہیں ہے۔ ہر موضوع پر قلم برداشتہ لکھتے پیر قادر ہیں۔ نثر کی روانی جہاں آبشاروں کے جھرنوں کی طرح صورت پذیر ہوتی ہے وہیں پیر اثر اور با معنی اشعار مریوں کی لڑائیوں کی طرح شعرو ادب کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہے ہیں۔

نوشمال گھرنے کی اس معزز خاتون نے اپنے فطری ذوق و شوق کی آبیاری کے لئے شعرو ادب کو اپنا رفیق بنالیا ہے۔ اپنا درست بنالیا ہے اور ایسا دوست جس کے حسن سلوک نے خوشگوار اور پاکیزہ ماحول میں خوش اسلوبی سے جیسے کاٹھنر سکھایا۔ شعرو ادب کی بے ضرر، دل و دماغ کو ٹھنڈک پہنچانے والی مہر و نصیحت نے گھر کے ماحول میں بھی شائستگی، شگفتگی اور تہذیبِ نظر کو فروغ دیا۔ فاطمہ تاج کی کامیاب ازدواجی زندگی نے پیر مسکون ماحول کو جنم دیا۔ — تعلیم یافتہ اور ذہیر تعلیم خوش مزاج، خوش خصال، خوش نظر، ذہین و باشعور

مشرق تہذیب کے پروردہ، علم و تہذیب سے آراستہ لڑکے اور لڑکیوں نے
 ڈھیر ساری خوشیاں ماں باپ کے قدموں میں ڈال دی ہیں۔ گھر کے کچھ
 ہوئے بہترین ماحول نے ہمیشہ تبسم ریز مسرتوں سے ہلکار کیا۔ بالکیں بھینگے نہیں
 دیں۔

فاطمہ تاج اپنی ساتھیوں میں بے حد مقبول ہیں۔ بہترین شاعرہ، ایک
 کامیاب ادیب کی حیثیت سے ہی نہیں، ایک اچھی دوست اور بامروت پرشمنم
 کی حیثیت سے بھی شہر کی بیشتر معزز خواتین سے فاطمہ تاج کی رسم و راہ ہے۔
 سبھی فاطمہ کو پسند کرتی ہیں۔ فاطمہ کی سنجیدگی سے زیادہ بذلہ سنی سے مخطوط
 ہوتی ہیں۔

فاطمہ تاج ایک منظم خراج، حوصلہ مند خاتون ہیں۔ محفلِ خواتین
 کی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں۔ محفلِ خواتین کی سرگرمیوں میں
 بہتر اضافہ کے لئے سرگرم داں رہتی ہیں۔

فاطمہ تاج کی طبیعت میں جلد بازی بھی ہے اور ٹھیراؤ بھی لیکن
 اکثر مقامات پر جلد بازی مقررہ حدود سے بھی آگے نکل جاتی ہے۔
 کل کس نے دیکھا ہے، کہتے ہوئے ہر مفوضہ کام کو بہ عجلت تمام سرانجام
 دینا چاہتی ہیں۔ انہیں محفلِ خواتین کی سرگرمیوں سے بے حد دلچسپی ہے۔ فاطمہ
 تاج کی شخصی دلچسپی کی وجہ سے بھی محفلِ خواتین میں کئی اراکین کا اضافہ ہوا
 ہے۔ مطمئن زندگی نے فاطمہ کو ادبی خدمات کرنے کا موقع فراہم کیا۔
 علم و فن سے وابستگی نے سرگرم عمل رکھا۔

فاطمہ کے پُر سکون اور آسودہ حالات نے بھی کتابوں کی اشاعت کا
 شوق پیدا کیا۔

”خوشیوں سے غزل“ فاطمہ تاج کا دوسرا مجموعہء کلام ہے جس میں حد
 نعت، سلام، علامہ غزلیں شامل ہیں۔ کتاب کی ترتیب دہشتہ خواتین خود فاطمہ نے کی ہے۔
 فاطمہ کے کلام میں وہ تمام شعری خوبیاں موجود ہیں جو ایک یا ذوقِ طاری کی تسکین

کا باعث بنی سکتی ہیں۔ ہر مکتب خیال کا قاری فاطمہ کے کلام کو پسند کرے گا۔ فاطمہ تاج کے کلام میں زندگی کی روشن حقیقتیں ہیں، جو سماج کے بے راہ روی و غلط فہمی کے خلاف احتجاج و نمائندگی کے لئے آواز اٹھانا ہے۔ پیاسوں کی پیاس بجھانے کے لئے دریا کی روانی کا غیر مقدم کرتی ہیں۔ چاہے وہ پھولوں کی رنگدہن ہو کہ کانٹوں کی شاہراہ، فاطمہ کے ہاں دم لینے کا تصور نہیں ہے۔ مسلسل چلتے رہنا فاطمہ کی طبیعت کا خاصہ ہے۔ تلاش منزل، فاطمہ کے فکر و خیال کا ایک ناگزیر عمل ہے، تلاش، جستجو ایک مطمح نظر ہے۔ فاطمہ اپنے اس سفر میں پامردی، جرأت، حوصلہ اور مستقل خراجی کے ساتھ قدم بڑھا رہی ہیں۔

میں نے ”خوشبوئے غزل“ کے اشعار اس لئے نوٹ نہیں کئے ہیں کہ یہ اشعار قارئین کے ذوقِ سلیم کی تسکین کے لئے اس کتاب میں موجود ہیں۔ ہمیشہ میری یہ خواہش رہے گی کہ فاطمہ تاج کی شہرت ارتقائی منازل طے کرتی رہے اور ان کا نام شعروادب کی دنیا میں ہمیشہ یاد کیا جاتا رہے۔ خدا کرے کہ فاطمہ کے قدم کہیں نہ ٹکیں۔ علم و ادب کی یہ شمع یوں ہی جلتی رہے بہتر سے بہتر کی خواہش زندہ رہے۔ ہر قدم کامرانی کی طرف بڑھے۔ سفر جاری رہے اس یقین کے ساتھ کہ —

آبلہ پانی سے گھرا کر نہ کر ترک سفر
پاؤں جب دہلیز پر ہونگے تو آنکھیں آئے گا (نیر)

صلاح الدین نیر

”گہکشاں“ ۵ اگست ۱۹۹۴ء

ملے پلے - حیدرآباد ۱۰۰۰۰۱

توشبہ غزل کے ساز و آہنگ

غزل — جو اردو شاعری کی آبرو ہے، دل بہجور کی پکار، جو
 حسن کا نکھار ہے۔ زندگی کا خمار ہے۔ جو درد بھی ہے اور درماں بھی۔
 زخم بھی ہے مرہم بھی۔ جس میں ساغر و پیانہ کی مستی بھی ہے جس میں
 سوزِ درون کا ثبات بھی ہے۔ نیرنگیِ خیال بھی ہے کیفیتِ جمال بھی۔
 مشاعر — جو زندگی کا لقیب ہے، جو مجرمِ غمِ دل کے قریب
 ہے جو آتشِ عشق کا پیکر بھی ہے، جفا کا خوگر بھی ہے۔ بصیرت جس
 کا سرمایہ ہے۔ جو زندگی کی دلکشی اور بد صورتی کو، خوشی کے لطف
 اور غم کی بے بسی کو خونِ جگر سے سینچا ہے۔ غمِ جاں نال اور غمِ دوراں
 کا تصور ہے جو حسنِ فطرت کا راز داں ہے۔ جس کے سینے میں جذبے
 کی صداقت ہے جو سچائی کا ترجمان ہے، حسن کا دلدادہ اور عبتجو
 کا متلاشی ہے۔ زندگی کے نشیب و قرار کو حوصلہ مند آنکھوں سے
 دیکھتا ہے۔ اپنے قلم کو درد کی سیاہی میں ڈبوتا اور صفحہ قرطاس
 پر جذبات کے گلے بوٹے سجائے لگتا ہے۔ اس صنفِ لطیف کو صنفِ
 نازک نے اپنا کر اسے ایک یا وقتِ حسیہ بنا دیا —

فاطمہ تاج کا نام بھی ایسے ہی قلم کاروں کی فہرست میں آتا ہے جنہوں
 نے تخیل کی پرواز کو بروئے کار لا کر اپنے آن مٹ یقوشِ تاریخِ ادب میں
 رکھ دیئے ہیں۔

فاطمہ تاج سے میری پہلی ملاقات ان کی تیسری کتاب ”امانت“ (مضامین
 کا مجموعہ) کی رسمِ اجراء کے وقت ہوئی۔ ادبی و شعری افق پر یہ ایک نیا ستارہ تھا،

جواپی ضیاء یا شیعوں محفلِ نورائیں کو بھی متور کرنے لگا تھا۔ سچ ہی تو تھا بجلی کا سرعت کے ساتھ آسمانِ ادب پر چھا جانے والی یہ خاتون بہت ہی کم عرصے میں اپنی ادبی کاوشوں کو تسلیم کروانے لگی۔

زیرِ نظر کتاب فاطمہ تاج کی غزلوں کا دوسرا مجموعہ ہے پہلے مجموعے ”اب کے برس“ کو ساتھ لئے وہ بہ بانگِ دہل میدانِ شاعری میں اتر پڑی ہے۔ فاطمہ کا مزاج شاعرانہ ہے۔ رنگِ تغزل ان کے ہاں موجود ہے غزل کے کلاسیکی انداز کا بھی انہوں نے خیال رکھا ہے۔

محسوس ہوا تھا تیرے قدموں کی صدا تھی

دردِ ازہ جو کھولا تو فقط سرد ہوا تھی

زندگی جسے فاطمہ تاج کو پیار ہے۔ وہ حیات کو نکھارنا اور سنوارنا بھی چاہتی ہیں۔ غمِ زندگی کے پیچ و خم کو وہ آراستہ بھی کرنا چاہتی ہیں۔ خارِ گلشن کو نکال پھینکنے سے زیادہ انہیں درد کی لذت میں سکون ہے۔

کائناتوں سے کیا شکوہ کریں ہم

اپنا دامن اپنا گلستاں

فاطمہ تاج کی شاعری میں رجاہیت، کلاسیکیت، نغمگی، دلکشی سبھی کچھ

موجود ہیں۔ وہ زندگی سے فدا نہیں چاہتیں، طوفان سے لڑنے کا غم رکھتی ہیں۔ زندگی کا سفر وہ دل پر اسد اور علی بیہم سے طے کرنا چاہتی ہیں۔ تلخیوں کو شہینی میں سیکنے کا اگر انہیں آتا ہے۔

پتھر کی طرح روزِ تراشا گیا ہم کو

ہم درد کے احساس سے ہر روز ہی گزر رہے

اس احساسِ درد سے وہ تھکنا نہیں چاہتیں۔ انہیں اندازہ ہے کہ

دلِ مغمومِ تسلیم کو تاثر بھی بخشتا ہے۔ گلاب کی پیتھوں پر ٹہری ہوئی شبنم کی نمی کو وہ محسوس کرتی ہیں۔ شفق کے پھلکے ہوئے سورج کی سرخی کا انہیں احساس ہے۔ سیاہ بدلیوں کی اوٹ سے آداس چاند کو انہوں نے دیکھا ہے۔

جل تھل زمین کی تشنگی کا بھی اندازہ ہے۔ لیلائے شب کی دراز زلفیں
 سفوار نے سا اہیں شوق ہے۔ چاندنی کے زرین تاروں کو چھوٹے سا ذوق بھی
 ہے۔ دشوار گزار راستوں کے سفر میں اہیں لذت ملتی ہے، وہ درد کو درماں
 سمجھتی ہیں۔

رہبر کی ضرورت نہیں یہ ایسا سفر ہے
 منزل کا پتہ دیتے ہیں کچھ نقش قدم بھی

کون کہتا ہے تشنہ لب ہوں میں
 میری آنکھوں میں ایک دریا ہے

بھول کھلتے ہیں کتنی قبروں پر
 خاک میں بھی حیات باقی ہے

سکلیاں ضم ہوئیں ترنم میں
 میرے سروں میں ڈھل گئے آنسو

انہیں بہار کی خواہش، میں خزاں ہے عزیز
 یہ اپنی اپنی طبیعت ہے کیا کیا جائے
 زندگی کی تلخ سیچائیوں پر فاطمہ تاج کی گرفت مضبوط ہے۔ وہ صداقت کو قبول
 کرتی ہیں۔

یہ زندگی فریب، تبسم بھی ہے فریب

یہ کیسے رنگ ہو گئے لیل و نہار کے

پنپتہ ہی قلیل عرصے میں فاطمہ تاج نے ادب کے ہر گوشے میں جوہر دکھا۔
 ان کی شخصیت اس اعتبار سے تین حصوں میں منقسم ہے۔ بحیثیت شاعرہ، انساں اور

حیث ادب کی آبیاری وہ بڑی سنجیدہ ہیں۔

یہ ساختگی، بدحستگی اور روانی ان کی شاعری کا خاص وصف ہے۔ فاطمہ تاج بند کمروں میں بوجھل سانسوں کی قائل ہیں۔ وہ دہن کے دریچوں کو کھولا رکھ کر خوشبودار ہوا کے جھونکوں کی تلاشی ہیں۔ وہ اپنے ماحول کا گہرائی سے جائزہ بھی لیتی ہے۔

سوال یہ کسی معمار شہر سے پوچھو
بنائے کتنے مکاں اور گہرا دیئے کتنے

غمِ دریاں بھی ان کے پاس ملتا ہے۔

تمہیں بتاؤ کہ کیوں انتشار اتنا ہے
تمہارے شہر کا موسم اگر خراب نہ تھا

ہر گوشہ گلشن سے دھواں اٹھنے لگا ہے
یہ آگ خدا جانے کہاں کیسے لگی ہے

فاطمہ تاج کے اشعار میں آمد ہے آور دہیں۔ شادابی ہے تھکتی نہیں۔ وہ سفرِ مسلسل کی شیدائی ہیں۔ خوب سے خوب تر کی انہیں جستجو ہے۔ ان کے رجحان میں استقلال ہے۔ جذباتِ انسانی کا انہوں نے بغور مشاہدہ کیا ہے۔

ان کی شاعری زندگی کے تپتے صحرا میں ابلہ پانی کا تجربہ ہے جس میں مایوسیوں اور اُدا سیدوں کی ہولناکیاں نہیں ہیں۔ ہمت، حوصلے اور اُمید کی تابناکیاں ہیں۔ سمندر کی تہ میں چھپے ہوئے اضطراب کو وہ جانتی ہیں۔ طوفان کے بعد آسمان کا خوفناک منظر انہوں نے دیکھا ہے چاندنی رات میں پھولوں کی سرگوشیاں سُنی ہیں۔ زندانوں میں سلاسل کے شور سے وہ واقف ہیں۔ اندھیروں سے نکل کر اُجالوں میں آنے کی تمنا بھی ان کے دل میں ہے۔ انہوں نے تنگی حالات کا شکوہ نہیں کیا۔

تیس سال تک خاموش رہنے کے باوجود افکار و خیالات کی ایک دنیا ان کے پاس موجود تھی اور پھر جب دریائے ادب میں کشتی چھوڑ دی تو قلم کو پتہ چل گیا۔

فاطمہ کی تحریروں میں خلوص ہے اور یہی ان کی طبیعت کا خاصہ بھی ہے۔ ان کا دل وسعت رکھتا ہے شاید اسی لئے ان کے ملنے والوں کا دائرہ وسیع ہے۔ خوش مزاجی کے ساتھ خوش گفتاری سے وہ سب کا دل موہ لیتی ہیں۔ محفلِ خواتین کی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں۔ پردہ دار اہل قلم خواتین کو محفلِ خواتین سے متعارف کر دلتے کا اہم کام بھی انہوں نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ خواتین کے مشاعروں میں نظامت کے فرائض بھی بخشنے و خوبی انجام دیتی ہیں۔

سیکرادر فاطمہ تاج کے مراسمِ دیرینہ تو نہیں مگر مضبوط اور مستحکم ہیں، پارینہ نہیں پائیدار ہیں۔ فاطمہ تاج کی دنی ہوئی سرگوشیوں اور سگھلے ہوئے قہقہوں کے درمیان، میں گزر چکی ہوں۔ ان کی مخلصانہ طبیعت کے جوہر سب پر عیاں ہیں۔ فاطمہ کی ہر جنبش قلم سے مجھے آگاہی ہے۔ ہنسنوں پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ اور آنکھوں میں تیرتی ہوئی نمی میری ہمنوا ہے۔ انہیں دردِ دل بانٹنے کا سلیقہ بھی ہے اور دوسروں کے لئے بھی انہوں نے دامنِ دل پھیلا رکھا ہے۔

فاطمہ تاج سے دنائے ادب کو بڑی امیدیں وابستہ ہیں۔ اللہ ان کے استقلال کو قائم رکھے، قلم کو زور عطا کرے۔ ہندوستان میں ”مناظرہ تاج“ کو جو اہمیت حاصل ہے وہی ادب میں فاطمہ تاج کو ملے، یہی میری آرزو ہے اور یہی میری دعا ہے۔

فریدہ زین
ایم۔ اے (عثمانیہ)

۲۰ اگست ۱۹۹۷ء

”کچھ اور چاہیئے وسعت مریساں کیلئے“

شاعری میں شام، آنسو کی طرح چشم ملک سے اُصل سحر زین کے
دامنی میں جذب ہو جاتی ہے۔ اُنقا کے آئین نغمہ سے کہیں۔ سر کی قیاموں
میں منہ چھپا لیتے ہیں۔ ڈوبتے لمحوں میں خیموں کے ساحل میں سحر
لوگ لہروں کا نظارہ کرتے رہتے ہیں، جہاں مانی کا ہر لمحہ حسن و
رنگین ہوتا ہے، ہوا کا ہر جھونکا خوشبوؤں کے لہروں کے کراہے
کوئی سر پھری موج غور و فکر کے سمندر سے سر تیرا کے۔ نذرانے لے
کر قدم بوس ہو جاتی ہے۔ اور پھر غزلوں سے
دامنی قرطاس بھرنے لگتا ہے۔ بھرتا ہوا جاتا ہے۔

اس پاس کے منظر ذہن کے کینوس پر آج بھر آتے ہیں غزل
رنگین و معطر پیرہن میں رقصاں ہونے لگتی ہے۔ سازِ حیات کا
کو تیز تر ہو جاتی ہے۔ اور پھر صبح کا نرم کرنا کا آواز
رفتہ رفتہ آتا بڑھ جاتا ہے کہ روشنی کا جھمکا آنکھوں کو جھپکا
لگتا ہے۔ ہیں ایسے میں اپنے دل کی دھڑکن کا سرتابی دہی
ہے اور ذرا سی دیر میں ”غزل“ و قوت یہ یہ یہ ادا جاتا ہے
کہ ”غزل“ کوئی واقعہ ہو، خوشگوار حادثہ ہو، عجب سے دل
بار بار گزرتے کو چاہے۔ اور میں نے اپنے دل کی بات
ہمیشہ سنی مانی ہے اس کی بے ترتیب دھڑکنوں کے ہمیشہ ایسا ہی
کا احساس دلایا ہے میں ہر جنبشِ دل کا احترام کرتی ہوں۔

تجربات کی سیائیاں، تصورات کی پہ چھائیاں صحرائے زندگی کے سفر میں بگولوں کی طرح ساتھ ہیں۔ لفظوں کے بھنور جب شعروں میں ڈھلتے ہیں تو پڑھتے وقت قارئین کو احساس ہی نہیں ہوتا کہ یہ بھنور ان کی ذات میں جذب ہو چکے ہیں۔ خنجر کی طرح رگسریاں میں پیوست ہو چکے ہیں اور۔۔۔۔۔ یہ لفظوں کے بھنور دل و جان میں وہ طوفان اٹھاتے ہیں جن کی موجوں کا اضطراب ناخدا کی طرح سکون کے ساحل پر قارئین کو لے آتا ہے پڑھنے والوں کو وقت کا احساس ذرا نہیں ہوتا بلکہ شعروں کے حصار میں کہانیاں پڑھتے رہتے ہیں انہیں کئی داستانیں اپنی جیسی لگتی ہیں۔ کئی مانوس چہرے شعروں کے آئینے میں نظر آتے ہیں۔۔۔۔۔ میں زندگی کے طویل سفر کے بعد بھی تنہائیوں کے حصار سے نکل نہ سکی، اپنے وجود کا مطلب بھی سمجھ میں نہ آسکا لیکن شعر و ادب کی دنیا میں اپنے نام کو روشن دیکھنے کی تمنا دل میں بدستور جگمگاتی رہی، مجھ جیسے لوگ چلتے ہوئے تھک بھی جائیں تو کیا ان کے قلم کا تحریری سفر کبھی ختم نہیں ہوتا۔

قارئین کو اس شعری مجموعہ میں جہاں فطری شوخیوں کے شاداب گلستاؤں سے کئی اشعار ممکنہ نظر آئیں گے وہیں کتنی ہی شاعریوں پر نوک دار کانٹے زندگی کی صداقت کا احساس بھی دلائیں گے وہ صداقتیں جن کا نام غم ہے، درد ہے، خلش ہے، محرومی ہے، تنہائی اور حسرت بھی۔۔۔۔۔!

ہر پتھر سے آئینہ نہیں بنایا جاتا۔ آئینہ بنانے کے لئے بھی خاص پتھر چاہیئے زندگی کی سیائیاں کو سمجھنے کے لئے بھی خاص ذہن چاہیئے۔ شاعر، مفکر، ادیب، دانشور دنیا کو بالکل الگ انداز میں دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں عام آدمی کا ذہن ان کے زاویہ فکر سے مطابقت نہیں رکھتا۔ شعر و ادب سے میری وابستگی بچپن سے ہے اور ابھی میرا محبوب شغلہ

ہے جو اب جنون کی حد میں داخل ہو چکا ہے۔

گھر ملیو دمہ داریاں تو خواتین کی ذات کا حصہ ہوتی ہیں لیکن شوقِ ادب عام نہیں، تحدید، احساس کی ترجمانی کرتی ہے، شکیبائی کی حد جہاں ختم ہوتی ہے وہیں سے اظہار کا راستہ شروع ہوتا ہے۔

اُردو زبان مجھے زندگی کی طرح عزیز ہے دیکھئے نا، میں نے بھی کچھ چراغ جلائے کی کوشش کی ہے۔ کبھی نثر میں، کبھی شاعری میں۔

ویسے شاعری ماحول اور کیفیات کے اظہار کا بہترین وسیلہ ہے۔ میں نے بھی اس انداز کو اپناتے ہوئے کہا ہے ناکہ

دیوانے ہی ٹکراتے ہیں بامِ قفس سے

اُڑنے کے لئے ہم بھی تو بڑے تول رہے ہیں

ادبی دنیا کے ماحول کو سمجھنے کی تربیت مجھے نثر بھائی نے بڑی توجہ سے دی ہے۔ انہوں نے یہ سمجھایا ہے کہ ”شہرت کے پیچھے مت بھاگو بلکہ شہرت کو اپنا تعاقب کرنے دو۔“ بقول اُن کے شاعرِ دل، ادیبوں کے لئے شہرت دراصل ایک امتحان ہے۔ قریب رہنے والے دور ہو جاتے ہیں اور دور رہنے والے قریب ہو جاتے ہیں لیکن اپنے آپ کو زندہ رکھنے کے لئے ہم کو ثابت قدمی کے ساتھ ان کھن راہوں پر اپنا ادبی سفر محسوس کرنا چاہیے اسی سے غرت ملتی ہے قدر ہوتی ہے۔ ادیب یہ تو میں نے بھی محسوس کیا ہے کہ ایک قدم پھولوں کے ڈھیر پر ہم رکھتے ہیں تو دوسرا قدم خود بخود کانٹوں کے ڈھیر پر جا پڑتا ہے۔ لیکن میرے سفر کا طریقہ یہ ہے کہ یا تو سامنے طے ہوئے کانٹے ٹھا کر پاؤں آگے بڑھاتی ہوں یا پھر کانٹوں کو اس طرح روند دیجی ہوں کہ ٹوٹ کر تھس تھس ہو جاتے ہیں، پاؤں نرمی ہو جائیں تو کوئی بات نہیں بیچھے آنے والوں کا تو راستہ صاف رہے سحانا!

نثر بھائی (صلاح الدین نثر) نے اپنے قلم سے میرے بارے میں جو کچھ بھی لکھا ہے یقیناً وہ میرے لئے اعزاز ہے۔ چاہتی ہوں کہ میری تحریریں

غزل سے خوب تر ہوں۔ خواہشوں کے اتفاق پر تو کنارِ نظر تو آتا ہے لیکن
لیتا نہیں۔ یہی حال میرے شوقِ ادب کا ہے اور اس ”خوشبو
غزل“ کو میں خوشگوار آغاز سمجھتی ہوں، حاصل نہیں۔

مغل خواتین ”ہیں آتے ہی میں نے بڑی ہمت و جرأت سے اور بہت
زیر سے اینار اسے بنایا شروع کیا جیسے نیر بھائی کا بھی کہنا ہے کہ۔

میں ”محبت پسند ہوں“ (ویسے یہ بات میرے گھر والے بھی کہتے ہیں)۔
لیکن یہ بات پھر بھی کوئی نہیں سمجھا کہ میں نے اپنے شوق کا تکمیل
کے لئے تیس سال انتظار کیا ہے۔ خلاؤں میں کائنات دیکھی ہے۔
آسمانوں پر لقصور کے قلم سے بہت سمجھ لکھا ہے، وہ تحدیر جو خلاء
سے آسمان پر لکھی جائے اُسے زمین پر لانے اور قرطاس پر بکھیرنے میں
اتنا وقت تو لگتا ہی ہے نا؟

ہزاروں پھول کھلے ہیں ہمارے دامن میں

یہی فریبِ نظر اس ہے اور کچھ بھی نہیں

اس کتاب کا انتساب میں نے اپنے شوہر حبیب احمد بانقیہ

کے نام کیا ہے۔ اُن کے خاموش تعاون کی شکر گزار ہوں کہ گھر بھر

زمہ داریوں میں اگر کہیں میری کوتاہی نظر آئے تب بھی مجھ سے تعاون

کا کلمہ نہیں کرتے کیونکہ جب وہ دیکھ لیتے ہیں کہ میں لکھنے بیٹھی ہوں تو

میرے کام میں مداخلت نہیں کرتے بلکہ میرے اس شوق کو ”ضرورتِ زندگی“ میں

شامل سمجھ کر مجھے باعزت بری کرتے رہتے ہیں۔

آدابِ تحریر کا تقاضہ ہے کہ اپنے رہنما اور استاد نیر بھائی کے

مخلصانہ ویسے نوٹ تعاون کا بھی شکریہ ادا کر دوں۔ حسبِ روایت اس

کتاب کی اشاعت کا سہرا ابھی ان ہی کے سر ہے۔

اور عزیز ترین دوست فریدہ زین کا شکریہ ادا کرنا بھی

مجھ پر فرض ہے نا۔ خوش نویس جناب شفیع اقبال صاحب

حصہ

مولا تو صداقت کا طلب گار بنا دے
 رنجیدہ دلوں کا مجھے غمخوار بنا دے
 دنیا کی جفائوں کا کلمہ کچھ بھی نہیں ہے
 تو مجھ کو وفاداروں کا سر دار بنا دے
 یا رب! تیرا رحمت سے میں مایوس نہیں ہوں
 ہے میری تمنا مجھے شبہ کا رینا دے
 جلتے ہیں کئی لوگ یہاں دھوپ میں غم کی
 سائے کے لئے تو مجھے دیوار بنا دے
 اب دل نہیں پہنلاتے یہ دنیا کے نظارے
 تو دل کو مرے گوشہٴ انوار بنا دے
 ایمان کا اُجبالا ہو ہر اک تارِ نفس میں
 تو تاج کو بھی مولا تھیاء بنا دے



نعت شریف



پڑھ گئے ہیں کس قدر ظلم و ستم یا مصطفیٰ
مشکلیں ہی مشکلیں ہیں ہر قدم یا مصطفیٰ

حال، دل سکا میں کسی بھی چارہ گہ سے کیا کہوں
دیکھ لیجے آپ میری چشمِ نم یا مصطفیٰ

آپ ہی میری دوا ہیں، آپ ہی میری شفا
بن گئے ہیں زخیمِ دل رنجِ دائم یا مصطفیٰ

پاؤں میرے کا نیتے ہیں، کچھ نظر آتا نہیں
کس طرح ہو گا سفر، سوئے حرم یا مصطفیٰ

میں گنہ گاروں کی صف میں کب تلک بیٹھی رہوں
آپ مجھ پر بھی کریں نظرِ کرم یا مصطفیٰ

چھاؤں کچھ تسکینِ دل کی کیجئے مجھ کو عطا
چھا گئے ہیں زندگی پر غم ہی غم یا مصطفیٰ

خاکِ طیبہ سے ہے نسبت میرے قدموں کو آج
یا طیبہ آ رہی ہے دم بہ دم یا مصطفیٰ



غیرت شریف

ٹوٹے ہوئے دلوں کے غمخوار آپ ہی ہیں
 دونوں جہاں کے آقا، سردار آپ ہی ہیں
 کیا لب کشائی ہوگی، رونہ حساب ہم سے
 ہم حرفِ آئینہ وہ ہیں، اظہارِ آپ ہی ہیں
 طیبہ کا ہو سفر یا مکہ کی رہ گزر ہو
 اپنے تو کارواں کے سالار آپ ہی ہیں
 احمد کے نام ہی سے سانسیں جھک رہی ہیں
 دونوں جہاں میں یوں بھی گلزارِ آپ ہی ہیں
 اک آپ کی بدولت دُنیا کو ہم نے جانا
 ظلمت میں اس جہاں کی انوارِ آپ ہی ہیں
 کوئی نہ چارہ گرہ ہے کوئی نہ راہِ ہر ہے
 اپنے لئے تو سب کچھ سرکارِ آپ ہی ہیں
 کس طرح ہم رہیں گے بے خانقاہ کی صورت
 جب تاج کے یہاں پر تختِ آراہِ آپ ہی ہیں



نعت شریف

روزِ ازل سے آقاؐ عالی مقامؑ تمؑ ہو
 خیر البشرؑ ہو تمؑ ہی، خیر الانامؑ تمؑ ہو
 محبوبِ کبریاؑ ہو، سردارِ دو جہاں کے
 بھیجا خدا نے جس کو اپنا سلامؑ تمؑ ہو
 ایمان سے پہلے دنیا شعلوں میں جل رہی تھی
 ٹھنڈی ہوا سا لیکن ہر دم پیامؑ تمؑ ہو
 ہے چاند لکڑے لکڑے، ٹھہر چوئے میں بادل
 ابرِ کرمؑ ہو تمؑ ہی، ملو تمؑ سلامؑ تمؑ ہو
 ہے نور سے تمھارے روشن یہ ساری دنیا
 حسنِ عملؑ ہو تمؑ ہی، حسنِ نظامؑ تمؑ ہو
 نسبت ہے تاج کو بھی، دو جہاں میں تمؑ سے
 دونوں جہاں میں آقاؐ اعلیٰ مقامؑ تمؑ ہو



نعت شریف



ہم نے خدا کو جانا فیض ان مصطفیٰ^۱ سے
 سرشار ہم ہوئے ہیں احسانِ مصطفیٰ^۲ سے
 نامِ نبی^۳ سے اب تک پلکوں پہ ہیں ستارے
 دل میں بھی روشنی ہے ارمانِ مصطفیٰ^۴ سے
 دنیا میں سرخرو ہیں، عقلی میں بھی رہیں گے
 ملتا ہے فیض ہم کو عرقِ عرفانِ مصطفیٰ^۵ سے
 نورِ محمدی سے ہیں جان و دل منور
 دونوں جہاں ہیں روشن ایمانِ مصطفیٰ^۶ سے
 پہلے تو اس جہاں میں اتنے اُجالے کب تھے
 پھیلے یہ اُجالا ایوانِ مصطفیٰ^۷ سے
 اے تلخ یہ موعا ہے ہم عاصیوں کی ہر دم
 لپٹے رہیں ہمیشہ، دامنِ مصطفیٰ^۸ سے



نعت شریف

کبھی یہ نہ کہتا ہمارے تمھارے
محمدؐ تو ہیں ساری دنیا کے پیارے

انہیں کی ہدایت سے روشن ہے دنیا
انہیں کی تو خاطر بنے چاند تارے

مدینے کی سکھیاں وہ مکہ کی راہیں
مری چشمِ تر میں ہیں سب وہ نظارے

یہ مانا کہ طوفانِ غم کے اُٹھے ہیں
مجھے یہ یقین ہے ملیں گے کناہے

نگاہِ نبیؐ ہے نگہبانِ میری
ڈیوئیں گے کیسے حوادث کے دھاکے

کسی کا بھی احسان مجھ پر نہیں ہے
مری زندگی ہے نبیؐ کے سہارے

وہی حاصلِ زندگانی ہیں اے تاج
مدینے میں دل ہم نے جتنے گزارے



سلام



کب تک رہوں میں یوں ہی تنہا، سلام لیجے
 دستِ طلب سے میرے، میرا سلام لیجے
 برباد گرنے نہیں ہوں آباد بھی نہیں ہوں
 نظرِ کرم ہو مجھ پر، آقا سلام لیجے
 زخمی ہوں، مضطرب ہوں، بیمار ہو گئی ہوں
 اب اے مرے محمد، اللہ سلام لیجے
 عصیاں میں ڈوبے ڈوبے ہیں صبح و شام میرے
 بہرِ تسلی اب تو، شاہِ سلام لیجے
 رحمتِ نواز آقا، اے دو جہاں کے سرور
 بکھری ہوئی ہے میری دنیا سلام لیجے
 ہیں آپ آرا بھی، تسکین کا سلسلہ بھی
 کیوں تاج پھر ہے تنہا، اس کا سلام لیجے



بھرا انقلابِ شام و سحر میرے ساتھ ہے
خوشِ شعور، فکر و نظر میرے ساتھ ہے

راہِ حیات میں ابھی تنہا نہیں ہوں میں
کوئی نہیں تو گردِ سفر میرے ساتھ ہے

کچھ بھی ہو فصلِ گل میں، میں محروم تو نہیں
دامن نہیں تو دیدہ تر میرے ساتھ ہے

مانا گزر چکے ہیں مسرت کے کارواں
اب تک غمِ حیات مگر میرے ساتھ ہے

سب لوگ ساتھ ساتھ ہی رہتے تو ہیں مگر
تنہائیوں کا اب بھی اثر میرے ساتھ ہے

دیتا ہے اب بھی چھاؤں کسی کا مجھے خیال
جیسے کہ سایہ دارِ شجر میرے ساتھ ہے

اُس کو گمانِ تاج کہ میں آئینہ نہیں
مجھ کو یقین، دستِ ہنرمیں کے ساتھ ہے





ہر لمحہ سُٹلتے ہوئے منظر کی طرح ہے
 آئینہ مرے ہاتھ میں پتھر کی طرح ہے
 ماضی کے وہ نایاب گہرِ یاس ہیں میرے
 اے دوست مراد دل بھی سمندر کی طرح ہے
 یہ بات الگ ہے کہ کوئی چھو نہیں سکتا
 سایہ تو مرا آج بھی پیکر کی طرح ہے
 اک پل میں بدل جاتا ہے صدیوں کی طرح سے
 اندازہ تیرا میرے مقدّر کی طرح ہے
 ہونٹوں پہ تبسم ہے تو آنکھوں میں اُجالے
 اک یاد مگر سینے میں نشتر کی طرح ہے
 اے تاجِ عجب ہے تیرا اندازِ تکلم
 کچھ لوگ یہ کہتے ہیں سنخندِ ر کی طرح ہے





آئینہ نہ تھے پھر بھی یہاں ٹوٹ کے بکھرے
 ہم کاش کہ فنکار کے ہاتھوں میں نہ ہوتے
 پتھر کی طرح روز تراشا گیا ہم کو
 ہم درد کے احساس سے ہر روز ہی گزرے
 شیشے کی طرح جب کوئی صورت نظر آئی
 مانوس لگے ہم کو بھی کچھ اجنبی چہرے
 دیکھا جو ہمیں سارے مسخا ہوئے گم گم
 ہونٹوں پہ تبسم تھا مگر زخم تھے گہرے
 کچھ لوگ نگینوں کی طرح دل میں رہتے تھے
 جب خواب رہا کرتے تھے آنکھوں میں سترے
 شمشیر بہ کف رہ کے بھی کچھ کہہ نہ سکے ہم
 سر پہ تو رہا تاج، رہے ہونٹوں پہ پہرے





اپنی ہی طرح مجھ کو اے مہرباں بنا دے
 آنکھوں کو میری، اپنے دل کی زباں بنا دے
 مانا فضلے گلشن اب تک بھی آتشیں ہے
 تنکوں سے بھیگا بھیگا اک آشتیاں بنا دے
 طلبوں کے شہر کا تو معمرا ہو گیا ہے
 بے خانماں ہوں کب سے میرا مکان بنا دے
 راہ حیات میں کچھ حاصل تو ہو سفرِ ہما
 صحرائے دل کو میرا بگستاں بنا دے
 افسانہ میرے دل کا پیش نظر ہے تیرے
 چاہے غمِ خوش ہو جا، یا داستان بنا دے
 دُنیاۓ دل ہے ویراں، ماحول منتشر ہے
 اے کاتبِ تقدّر! پھراک جہاں بنا دے
 ہے تاجِ ضبطِ غم کی عظمت کا یہ تقاضہ
 اب آہِ سوزِ غم کی رنگیں بیاں بنا دے





خاموشیوں کو میری زباں دے گیا ہے کون
مدت کے بعد در کس فعال دے گیا ہے کون

کیا جانے کون پلکیں بھگو کر گپ مری
اسی سوچ میں ہوں، دردِ نہاں دے گیا ہے کون

کس کو خبر کہ شوق کی ہے انتہا کہاں
اسی انبساطِ شوق میں جاں دے گیا ہے کون

کس کس سے پوچھیں کون یہ بتلائے گا ہیں
ترکشی کے تیرے کے ماں دے گیا ہے کون

دیوارِ درد کی بات نہیں سناں بھی ہے
خانہ بدوش، ہم تھے مکاں دے گیا ہے کون

اب کے سفر میں تاج یہی سوچتے رہے
قدیموں کو منہ لوں کے نشاں دے گیا ہے کون





عروجِ درد کی منزل ہے کیا کیا جائے
 یہی تو زیست کا حال ہے کیا کیا جائے
 ہمیں تو سانسوں کی اُلجھن سے جے گیا ہے نجات
 یہ اور بات وہ قاتل ہے کیا کیا جائے
 ہمارے دل کے ہے زخموں سے روشنی کتنی
 نظارہٴ مہر کا مل ہے کیا کیا جائے
 تڑپ کے آئی ہیں موجیں بھی آرزو کی وہیں
 جہاں غموں کا بھی ساحل ہے کیا کیا جائے
 تمام عمر دیا ہم نے زندگی کو قریب
 اب ایک سانس بھی مشکل ہے کیا کیا جائے
 ہمارے پاس نہیں کچھ بھی تاجِ اس کے سوا
 خلوص، پیار، وفا، دل ہے کیا کیا جائے





سانس لینا بھی مرا ایک سزا ہے شاید
 زندگی تیری یہ مخصوص ادا ہے شاید
 بجھ گئی شمعیں ہر اک سمت دھواں بھی
 کوئی پیر دانہ سرِ شام جلا ہے شاید
 باغباں پھولوں کھٹیاں نول سے جدا کرتا ہے
 موسمِ گل میں وہ دیوانہ ہوتا ہے شاید
 تجربہ تو نہیں اندازہ مرا ہے لیکن
 زندگی جبر نہیں جو روحِ جفا ہے شاید
 کیا خبر تھی کہ اندھیروں سے گزرنا ہوگا
 ہم یہ سمجھے تھے کہ راہوں میں دیل ہے شاید
 اب تو کانٹوں پہ بھی پھولوں کا گماں ہوتا ہے
 اُس نے گلشن میں مرا نام لیا ہے شاید
 تاجِ کچھ اشکِ تمنا میں مری آنکھوں میں
 آپ کے دل میں وہی دردِ وفا ہے شاید





میں خود بھی ایک درد کی دنیا ہوں کیا کروں
 یعنی کہ اک فریب تمنا ہوں کیا کروں
 شبنم مزاج بن کے ہوں گلشن کی آبرو
 بادِ صبا کا میں بھی وسیلہ ہوں کیا کروں
 ویسے تو رہبروں کی بڑی بھیت ہے یہاں
 یہ اور بات میں ہی سہارا ہوں کیا کروں
 مانا کہ تو نے سنگ تراشے ہیں بے شمار
 میں بھی تو تیسرے ہاتھ میں شیشہ ہوں کیا کروں
 ٹکڑا جھ کو پڑتا ہے ساحل سے بار بار
 میں بھی غمِ حیات کا دریا ہوں کیا کروں
 کہتا ہے مجھ سے وقت کہ اے تاج تیز چل
 میں بھی تو تیسرے ساتھ ہی چلتا ہوں کیا کروں





آج اس طرح کسی کی مجھے یاد آئی ہے
 میری تنہائی میں بھی انجمن آ رہی ہے
 آپ آئے ہیں مرے گھر میں تو ٹھہرے رہیے
 لوگ سمجھیں گے مرے گھر میں بہا رہی ہے
 چند لمحوں کے لئے بدلے تھے حالات مرے
 پھر وہی درد، وہی غم، وہی تنہائی ہے
 یہ الگ بات کہ مجھ کو ہی ضرورت نہ رہی
 غمِ جاناں تو مرا آج بھی شیدا رہی ہے
 آپ کو بھی تو مرے درد کا اندازہ نہیں
 یہ مرا ضبط ہے یہ میری شکایت ہے
 ہمتِ ترکِ وفا بھی تو ہے اعزازِ مجھے
 کون کہتا ہے محبت میں سزا پائی ہے
 نام لے کر میں اُسے کیسے پکاروں اے تاج
 زندگی سے مری کب اتنی شناسائی ہے





سب امتیازِ دید و حرم چھوڑ جائیں گے
 اب ہم بھی اپنے نقشِ قدم چھوڑ جائیں گے
 لکھتی پڑیگی کیفیتِ دل تمامِ عمر
 ہاتھوں میں ہم تمہارے قلم چھوڑ جائیں گے
 محرومیوں سے ہم کو جو فرصت کبھی ملے
 تم دیکھنا کہ تم کو بھی ہم چھوڑ جائیں گے
 فصلِ بہار آئے کبھی بھی نہ جائے گی
 جب ہم چمن میں دیدہٴ غم چھوڑ جائیں گے
 جس وقت ہم کو ضبطِ الم ساقین ملو
 جتنے ملے ہیں آپ سے غم چھوڑ جائیں گے
 اے تاجِ اپنے زخمِ تمنا کے بادِ جود
 ہم گیسوئے حیات میں خم چھوڑ جائیں گے





میں نے لکھ رکھی تھی کتابِ دل، کبھی تم نے اس کو پڑھا نہیں
مری زندگی ہے ذرقِ برق، مجھے اب کسی سے سیکھ نہیں

کوئی مل گیا سرِ رہگذر، وہ تو رہنما تھا نہ ہمسفر۔ !
جسے ہم نے ڈھونڈا تھا عمر بھر، کبھی وہ تو ہم کو ملا نہیں

کوئی خضر ہے کوئی خواب ہے، کہیں لمحہ لمحہ سراپ ہے
کئی سنگِ میل تھے راہ میں، کبھی منزلوں کا پتہ نہیں

مجھے خوف تھا آتشِ گل سے یہ، وہ جیلانہ دے مرہا تھا کو
تھی جھلکی ہوئی سی وہ شاخِ گل، میرا ہاتھ پھر بھی پڑھا نہیں

ہیں برق بھی سادہ زمین کے، یہ ملک کے صفحے بھی صاف ہیں
کہیں رنگ سے کہیں نور سے، مرا نام تم نے لکھا نہیں

وہی رفعتیں وہی وسعتیں، وہی خواہشیں، وہی جہاں تیں
جو بھی پر تھے میرے بکھر گئے، جو قفس تھا وہ بھی رہا نہیں

سن اے تاج تو بھی یہ واقعہ، وہ تپش تھی غم کی کہ آلا ماں
مرے ہاتھ میں تھا جو آئینہ، وہ پگھل گیا تھا، اگر انہیں





راز داں ہو گئے ہیں کچھ لمحے
 مہرباں ہو گئے ہیں کچھ لمحے
 زندگی! ایک تیر آنے تک
 کیوں گراں ہو گئے ہیں کچھ لمحے
 جانے کون آج آنے والا ہے
 شادماں ہو گئے ہیں کچھ لمحے
 زندگی جانے کیسے گزرے گی
 مباداں ہو گئے ہیں کچھ لمحے
 حال دل ہم کبھی نہ کہہ پائے
 ترجمہاں ہو گئے ہیں کچھ لمحے
 مختصر یہ کبھی نہیں ہونگے
 داستاں ہو گئے ہیں کچھ لمحے
 تاج اب کس کا اعتبار کروں
 بدگماں ہو گئے ہیں کچھ لمحے



اے گلشنِ حیات! سنو نہ نا ضرور ہے
دورِ خزاں سے پہلے گزرنا ضرور ہے

اس موسمِ بہار میں رکھنا ہے یہ بھی یاد
قلیوں کو پھول بن کے بکھرنا ضرور ہے
اے چارہ ساز! مرہم و نشتر سے کام لے
کچھ بھی ہو دل کے زخموں کو بھرنا ضرور ہے
موجیں ہوں تیز، یا کہ شکستہ ہوں کشتیاں
کمرنا ہے دریا پار، اُترنا ضرور ہے

اب چہرہٴ حیات پہ مانا کہ گمراہ ہے
سیکن اس آئینہ کا نکھرنا ضرور ہے
آساں نہیں ہیں ترکِ تمنا کی کوششیں
مشکل ہے کام پھر بھی یہ کہنا ضرور ہے
سب کو عزتِ پھر بھی ہے اے تاجِ زندگی
ہر شخص جانتا ہے کہ مرننا ضرور ہے





اس طرح انقلاب آوے ہے
 جیسے کوئی عذاب آوے ہے
 دیکھ کر میری طاقت پروانہ
 آسمان کو حجاب آوے ہے
 ہاتھ میں پھر ہے میرا آئینہ
 زندگی بے نقاب آوے ہے
 منزلوں کا پتہ نہیں ملتا
 ہر قدم پر سراب آوے ہے
 کشتیاں غرق ہو گئیں کتنی
 ساحلوں تک حباب آوے ہے
 دشت کا پھر سے اب سفر ہوگا
 مسند گل کا خواب آوے ہے
 جو زمانہ گزر گیا اسے تاج
 یاد وہ بے حساب آوے ہے





اب کے ایسے پکار چپ کے سے
آہی جائے بہار چپ کے سے

زندگی اتھ پہ جان و دل اپنے
کر چکے ہم نثار چپ کے سے

چھ نہ تھا پاس کس کو کیا دیتے
دے دیا اختیار چپ کے سے

زندگی کو تلاش کرنا ہے
چل پڑو سوئے دار چپ کے سے

ہے یقین وہ کبھی تو آئے گا
حاصل انتظار چپ کے سے

کوئی ہنگامہ جنوں ہی نہیں
آئی ہے پھر بہار چپ کے سے

تاج ہم تیرے غم میں شامل ہیں
کہہ گئے نغمہ ساز چپ کے سے





زندگی یوں تو بے ثبات ملی
 کیا یہ کم ہے کہ تیری ذات ملی
 ہم نے دنیا میں کیا نہیں ڈھونڈا
 تیرے دامن میں کائنات ملی
 جگ گیا وقت قافلوں کی طرح
 ہم کہہ رہے ہیں جب حیات ملی
 اپنی خاطر نہیں تو اُن کے لئے
 کب سفر سے ہمیں نجات ملی
 جب بھی منزل کی سمت جانے لگے
 ہر قدم ایک واردات ملی
 ہم نے ڈھونڈا کہاں کہاں اس کو
 فصلِ گل تاجِ تیرے سات ملی





سانس کی طرح سے رُک گئے ہم کبھی، دل کی صورت کبھی ہم دھڑکتے رہے
 شمعیں جلتی رہیں زندگی کا یونہی، آرزوؤں کے شعلے دہکتے رہے
 یہ خطا کر گئی آج ٹھنڈی ہوا، تجھ کو دیوانہ پھر کر گئی یہ صبا
 پھر نسواریں تجھ گلستاں سچ گئے، پھول یادوں کے دل میں تپکتے رہے
 آسمان مسکراتے لگا تھا مگر، کتنی مغموم تھیں اپنی تنہائیاں
 آپ بھی اشک پیتے رہے رات بھر، چپکے چپکے سے ہم بھی مسکتے رہے
 کتنی تاریکی راتوں کے دامن میں تھی، خواب آنکھوں میں تھے کتنے ٹوٹے
 روشنی جگنوؤں کی کہیں کھو گئی، میری ہلکوں پہ تارے چمکتے رہے
 سارے غم کی بھی آواز کچھ تیز تھی، رقص فرما ہوئی نہ کبھی زندگی
 ہم کو اُلفت کی مئے تو ملی نہ کبھی، اشک پیتے رہے اور بکتے رہے
 تاج منزل و فادوں کی ہم تھے کبھی، آرزوؤں کے سفر کا بھی حاصل تھے ہم
 ہم کو لوگوں نے دیکھا نہیں راہ میں، وہ تو چلتے رہے اور بھٹکتے رہے





چمن کا دیکھا نظارہ تو آنکھ بھر آئی
جو ذکر آیا تمہارا تو آنکھ بھر آئی

میں کیا بتاؤں شبِ غم کا وہ سہارا تھا
گرا جو لوٹ کے تارا تو آنکھ بھر آئی

شکستہ پاہی نہ تھے، راہ بھی تو مشکل تھی
ملا نہ کوئی سہارا تو آنکھ بھر آئی

تمام زندگی تنہائی اپنے ساتھ رہی
کسی نے ہم کو پکارا تو آنکھ بھر آئی

کسی سے پہلی دفعہ مل کے ہم بہت فوش تھے
ملا جو کوئی دوبارہ تو آنکھ بھر آئی

تمہاری بزم میں آکر ہوئے ہیں رنجیدہ
کوئی نہیں تھا ہمارا تو آنکھ بھر آئی

غمِ حیات کا ہر لمحہ تاج بھاری تھا
ترے بغیر گزارا تو آنکھ بھر آئی





وہ زندگی کا سہارا ہے اور کچھ بھی نہیں
یہ حسنِ ظن بھی ہمارا ہے اور کچھ بھی نہیں

یہ سوچ کر ہی بہاریں کبھی تو آئیں گی
قفس میں وقت گزارا ہے اور کچھ بھی نہیں

زمین و آسمان دونوں ہی گونج اٹھے ہیں
کسی نے ہم کو پکارا ہے اور کچھ بھی نہیں

نقوشِ یادوں کے، سائے ہیں آرزوؤں کے
یہی اثاثہ ہمارا ہے اور کچھ بھی نہیں

حدودِ شہر سے ہم بھی نکل گئے ہوتے
خیال ہم کو تمہارا ہے اور کچھ بھی نہیں

ہزاروں پھول کھلے ہیں ہمارے دامن میں
یہی فریبِ نظر ہے اور کچھ بھی نہیں

تمام عُمَر گزاری ہے اس طرح اے تاج
خود اپنے عیش کو سوارا ہے اور کچھ بھی نہیں





قفس میں رنگِ گلستاں نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہاں بھی جشنِ بہاراں نہیں تو کچھ بھی نہیں

کوئی ہو صاحبِ محفل تو اس سے ہم کو کیا
وہ ایک شمعِ فروزاں نہیں تو کچھ بھی نہیں

تمہارے گھر کے اُجالوں سے ہم کو کیا لینا
ہمارے گھر میں چراغاں نہیں تو کچھ بھی نہیں

ہمارے عزمِ مصمم کے سامنے جب تک
شکستِ گردِ ششِ دوراں نہیں تو کچھ بھی نہیں

ردِ اسکون کی اب اوڑھنے سے کیا حاصل
حیاتِ سربِ گریباں نہیں تو کچھ بھی نہیں

شعورِ ضبطِ آلمِ عام ہو گیا ہے مگر
جنونِ شوقِ کاسِ ماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

عجیب رنگ ہے اے تاجِ اس کہانی کا
تمہارا نام ہی عنوان نہیں تو کچھ بھی نہیں





محسوس ہوا تھا ترے قدموں کی صدا تھی
دروازہ جو کھولا تو فقط سرد ہوا تھی

یہ وقت بھی آیا ہے کہ اب چھالے پڑے ہیں
ہاتھوں میں ہمارے کبھی خوشبوئے حنا تھی

ہم دن کے اُجالے میں بھی پہچان نہ پائے
ہر خواب کے شانے پہ اندھیروں کی ردا تھی

اب اپنا مسیحا تو یہاں کوئی نہیں ہے
حالانکہ زمانے میں ہر اک غم کی دوا تھی

آنکھوں میں تلاطم کا ابھی تک بھی اثر ہے
جودل میں تُمٹا تھی ، وہی موجِ بلا تھی

ہوتی رہی ہر لمحہ مری زلیست کی توہین
ہر سانس مری ویسے بھی جیسے کسی سزا تھی

ہم سر پہ رکھا کرتے تھے اک تاجِ محبت
جب آپ کی آنکھوں میں بھی تصویرِ وفا تھی





اندھیرا مانا ہمیں آنہ ماتا رہتا ہے
 چراغ، دل کا لنگر جگمگاتا رہتا ہے
 ہمارے اشک نہ میں پی رہی ہے برسوں سے
 یہ آسماں تو فقط مسکراتا رہتا ہے
 قریب دل کوئی دستک سناتی دیتی ہے
 نہ جانے کون یہاں آتا جاتا رہتا ہے
 کئی دلوں سے ہے مصروف کوئی دیوانہ
 دیئے حبلا کے وہ خود ہی بچھاتا رہتا ہے
 اُمیرِ شہر کا کیا جانے کیا ہے منصوبہ
 مٹاں بنائے ہمیشہ گہراتا رہتا ہے
 کوئی سنے نہ سنے تاج یہ بھی کیا کم ہے
 غزل تمھاری کوئی گنگناتا رہتا ہے





ملتے رہتے ہیں کئی لوگ مگر کیا کیجے
 ہم تو کرتے ہیں اکیلے ہی سفر کیا کیجے
 زخم پھولوں کی طرح روز کھلا کرتے ہیں
 ہم پہ ہوتا ہے بہاروں کا اثر کیا کیجے
 کرنے آتا ہے کوئی درد کا درماں لیکن
 اور بڑھتا ہے مرا دردِ جبکہ کیا کیجے
 پھونک دیتا ہے کوئی میرے شبستاں کے چراغ
 ایسے حالات میں اُمیدِ سحر کیا کیجے
 جس کی موجوں میں سرِ دل کا سفینہ ڈوبا
 یاد آتا ہے وہی دیدہٴ تہ کیا کیجے
 اب بھی جاری ہے مری چاند ستاروں کی تلاش
 اب بھی جاتی ہے بہت دُور نظر کیا کیجے
 اس لئے تاجِ اندھیروں میں رہا کرتے ہیں
 ہم کو ہوتا ہے چراغوں سے بھی ڈر کیا کیجے





ہم خواب پریشان میں گاہوں میں ملیں گے
 ہر رنگ میں گلشن کی فضاؤں میں ملیں گے
 شبنم کی طرح آپ لب گل پہ ہی رہتا
 ہم صبح تلک ٹھنڈی ہواؤں میں ملیں گے
 اب راہ میں ہونگیں یہاں روشن سی لکیریں
 جلتے ہوئے کچھ لوگ بھی راہوں میں ملیں گے
 کشتی سے نکلے ہوئے طوفاں کے سبھی راہ
 ساحل سے بہت دور صداؤں میں ملیں گے
 ہیں دار و درسن پیچ میں گم فکر نہیں ہے
 آنا ہو تو آجاؤ کہ خوابوں میں ملیں گے
 ہم نقشِ محبت ہیں کبھی مٹ نہیں سکتے
 دھڑکن کی طرح دل کی کتابوں میں ملیں گے
 مانا کہ زمانے نے کئی پھول چنے ہیں
 کچھ زخم ہیں تاج کے ہاتھوں میں ملیں گے





چراغ تو ہیں بہت ان میں روشنی ہے کہاں
وہی یہ شہر ہے لیکن تری گلی ہے کہاں

تمام عمر سفر میں ہمارے ساتھ رہی
وہ نگہ دہرے کہ یہ ان کے ابھی جی ہے کہاں

وہ جس کو سن کے زمانے کو آپ ٹھکرا دیں
وہ بات آپ سے ہم نے ابھی کہی ہے کہاں

چمن میں چاروں طرف اک دھواں سا اٹھا ہے
یہ دیکھنا ہے ہیں آگ پھر لگی ہے کہاں

محیط ہم پہ ہے سناٹا ایک مدت سے
یہ انقلاب آگہ ہے تو زندگی ہے کہاں

تمام نقش قدم مٹ گئے ہیں راہوں سے
ہے اعتبار سفر پھر بھی آگہی ہے کہاں

یہ مانا تاج کہ ہم اب بھی اشکبار نہیں
ہمارے ہونٹوں پہ پہلی سی وہ ہنسی ہے کہاں





رہتے ہیں گلستاں میں بھی ہم کتنے اکیلے
اس فصل بہاراں میں بھلا کون تا یہ سوچے

اس واسطے دیوار پہ تصویریں لگا دیں
مجھ کو کوئی پہنچانے کوئی تو مجھے دیکھے

تا عمر دیا رکھنا ہے دروازے پہ مجھ کو
اللہ کرے میرا مرکاں کوئی نہ بھولے

یہ بات غلط ہے کہ وقا ہم نے نہیں کی
یہ سچ ہے وفاؤں سے مقدر نہیں بدلے

ہم نے بھی سجا یا تھا اک اخلاص کا گلشن
کیوں دور تلک سائے محبت کے نہ پھیلے

ویسے تو جٹالوں سے گرے تاج کئی لوگ
یہ بات الگ ہم بھی گرے پھر بھی نہ ٹوٹے





اب ضبطِ مسلسل کے سوا کچھ بھی نہیں ہے
 اس دردِ محبت کی دو کچھ بھی نہیں ہے
 پوشیدہ، طبعیت میں وفاؤں کے ہیں سب راز
 یہ ترکِ وفا، عہدِ وفا کچھ بھی نہیں ہے
 مجرم کی طرح ہم کو سمجھتے ہیں ابھی لوگ
 یہ بات الگ ہے کہ خطا کچھ بھی نہیں ہے
 چھائی ہوئی ماحول پہ ہے خاموشی ایسی
 لگتا ہے کہ اب دل کی صدا کچھ بھی نہیں ہے
 جی بھر کے کیا کرتے ہیں کچھ لوگ منطالم
 جیسے کہ ستم گر کی سزا کچھ بھی نہیں ہے
 دیکھو تو ذرا سُرخِ گلزارِ تمنا
 یہ رنگِ شفق، رنگِ جنا کچھ بھی نہیں ہے
 اے تاجِ تجھے دیکھ کے اب تک بھی کئی لوگ
 کہتے ہیں کہ یہ بادِ صبا کچھ بھی نہیں ہے





چاہا تو نہیں تھا کہ تیرے بارے میں سوچوں
لیکن یہ تمنا تھی تجھے روز میں دیکھوں

تو نے مجھے آمادہ گفتار کیا ہے
سوچا تو یہی تھا کہ کسی سے بھی نہ بولوں

کچھ لوگ مرے غم کا سبب پوچھ رہے ہیں
یہ خوف مجھ ہے کہ تیرا نام نہ لے لوں

جی چاہتا ہے روز کروں تیری حفاظت
سائے کی طرح تیرے دروِ پام پہ پھیلوں

یہ ریت ہی ساحل کی، مقدر میں تھی میرے
چاہا تھا کبھی میں نے کہ طوفان سے کھیلوں

لگتا ہے کہ اب آنے کو ہے فصلِ بہاراں
اچھا ہے کہ اب چاک گریباں کو بھی سی لوں

اے تلج مرے دل میں یہ رہتی ہے تمنا
تیری یہ زمیں چھوڑ کے اب آسماں چھو لوں





کس نے کہا تھا تجھ سے یوں سو گوارا ہو جا
 اے دل تو ضیغِ غم کا آئینہ دار ہو جا
 گھٹ گھٹ کے سانس لینا جینے میں کیسے شامل
 اے راز مرے دل کے اب آشکار ہو جا
 بیستابیوں سے یوں بھی حاصل نہیں ہے کچھ بھی
 یا آنسوؤں کو پی لے یا اشکبار ہو جا
 میرے سفر کا قصہ تاریخ میں ہو شامل
 اے سرنہ میں صحرایا اب لالہ زار ہو جا
 اے میرے زخمی پاؤں گلشن کھلا ہو سے
 یہ اُن کا گلستاں ہے نذر بہار ہو جا
 اے تاج دھڑکنوں کی توقیر یوں بڑھادے
 دل کہہ رہا ہے مجھ سے تو بھی نثار ہو جا





مراستہ شمعیں جلا کر تاسمجہ دیکھے گا کون
 کتنا دیراں ہو گیا ہے میرا گھسہ دیکھے گا کون
 تم مسیحا ہو کے بھی جب کوٹ کر جانے لگے
 تم ہی کہنا نہ حشم، دل کے اک نظر دیکھے گا کون
 یوں تو رہا تھا ہم پر پیرہہ واہ پر سب کی نظر
 بکھرے بکھرے سے قفس میں بال و پیر دیکھے گا کون
 اپنی اپنی منزلوں کی سمت ہیں جب سب رواں
 کون تھا کس کا یہاں پہ ہمسفر، دیکھے گا کون
 جس کی پلکیں بھیگتی رہتی تھیں ہنسٹام سحر
 درو میں ڈوبی ہوئی وہ چہرہ تم دیکھے گا کون
 صبح کی کرنیں بھی آپہنچی، میں اب دہلیز تک
 تاج تیرا راستہ اب عمر بھر دیکھے گا کون





یہ منظر یہ جشنِ چہراغاں ہے ہم سے
 یقیناً یہ شمعِ فردزاں ہے ہم سے
 یہ سرِ سج ہے ہمیں سے یہ ویرانیاں ہیں
 مگر یہ بھی سج ہے گلستاں ہے ہم سے
 یہ ممکن ہے کل ہم یہاں پر تہ ہونگے
 ابھی تک تو دورِ بہاراں ہے ہم سے
 ہیں دامن پہ اس کے بھی قطرے لہو کے
 سرِ دار، منصف پریشاں ہے ہم سے
 نہ مانے کی گردش کو ہم جانتے ہیں
 وہ نظریں ملا کے پشیمان ہے ہم سے
 کبھی تاجِ حسن نے دلاسم دیا تھا
 وہی شخص پھر سے گریزاں ہے ہم سے





زندگی درد کا طوقاں ہے تمہیں کیا معلوم
اگر تو موت کا ساماں ہے تمہیں کیا معلوم

صبح گلشن میں شب و روز گزر جاتے ہیں
زندگی دیدہ گریاں ہے تمہیں کیا معلوم

چاند تاروں کی ضیاء پاس نہیں ہے اپنے
ظلمتِ شب ہی نگہیاں ہے تمہیں کیا معلوم

مجھ کو ان اونچے مکانوں سے گھٹن ہوتی ہے
نکتی مشکل میں مری جاں ہے تمہیں کیا معلوم

زندگی درد تو ہے درد کا ساماں نہیں
دل مرا کتنا پیریشاں ہے تمہیں کیا معلوم

تاجِ حصّہ میں مرے خوشبو کا موسم بھی نہیں
کب سے دل خانہ ویراں ہے تمہیں کیا معلوم





ابھی تو درد کا صحرا ہے کوئی ساتھ نہیں
غمِ حیات بھی تنہا ہے کوئی ساتھ نہیں

برائے نام ہے رشتوں کا اک ہجوم مگر
خیال و خواب کی دنیا ہے کوئی ساتھ نہیں

تمام لوگ ہیں ساحل پہ محو نظارہ
حوادثات کا دریا ہے کوئی ساتھ نہیں

رہ حیات ہے ویران ایک مدت سے
ہمارا دل بھی اکیلا ہے کوئی ساتھ نہیں

بہت سے لوگ صلیبیں اٹھائے چلتے ہیں
عجیب یہ بھی تماشا ہے کوئی ساتھ نہیں

ملا نہ کوئی بھی غمخوار ہم کو دنیا میں
ہجومِ شوقِ تمنا ہے کوئی ساتھ نہیں

اُجالے تاج یہاں پر کبھی نہیں آتے
ہر ایک گام اندھیرا ہے کوئی ساتھ نہیں





اب کسی ہاتھ میں پتھر نہیں دیکھے جاتے
مونسیم گل میں یہ منظر نہیں دیکھے جاتے

آگ گلشن کو لگانے کا سبب بتلائیں!
یا تو کہیے کہ گل تر نہیں دیکھے جاتے

کب سے پیاسے ہیں سرِ بزمِ مگر بیٹھے ہیں
ہم سے یہ ٹوٹے ساغر نہیں دیکھے جاتے

اب تو یہ اشک چراغوں کی طرح ہیں اپنے
داغِ دل اتنے منور نہیں دیکھے جاتے

خس و خاشاک کے چلنے ہی کی لو آتی ہے
اب گلستاں بھی معطر نہیں دیکھے جاتے

آپ کا دل ہے اگر آئینہ ہم نہ بکھیں گے
اس میں اوروں کے تو پیکر نہیں دیکھے جاتے

قابلِ رشک ہیں اے تاج جنوں کے آثار
ایسے دیوانے کہیں پر نہیں دیکھے جاتے





ایسا نہیں کہ شہر میں اونچے مکان نہ تھے
 تھے بام و در بلند مگر سائباں نہ تھے
 چھٹ کر قفس سے ہم نے تو دیکھ لیا بس یہی
 شاخیں تو تھیں شجر کی، مگر آشیاں نہ تھے
 دل پر لگی تھی چوٹ، مگر ضبط کر گئے
 جہکد یہ رنج و غم کے کہیں بھی نشان نہ تھے
 تنظیم گلستاں کا چلن راس کس کو تھا
 رہتے تھے ہم چین میں مگر شادماں نہ تھے
 دل میں ہی اپنے حسرت پر واز رہ گئی
 اڑنے کو ہم چلے تو کہیں آسماں نہ تھے
 تنہائیوں کا ساتھ تھا رہید بنا ہوا
 اپنے سفر میں ساتھ کبھی کارواں نہ تھے
 اس زندگی میں تاج یہی تحبہ بہ ہوا
 کچھ لوگ مہرباں تھے مگر قدر داں نہ تھے





کچھ بھی توجہ کے سوا کر نہیں سکتے
ہم رسم تغافل بھی ادا کر نہیں سکتے

حالات بدلتے ہیں تو بدلا کریں لیکن
حالات ہمیں تم سے جدا کر نہیں سکتے

مانا کہ بہت درد ہوا کرتا ہے دل میں
کچھ ایسی ہے مجبوری، دوا کر نہیں سکتے

ہم آپ کے لہجے سے پریشان ہیں لیکن
یہ بات الگ ہے کہ گلہ کر نہیں سکتے

کن لوگوں کا اب تذکرہ کرتے ہو یہاں پر
کچھ لوگ ہی ایسے ہیں، وفا کر نہیں سکتے

بیٹھے ہیں کچھ اس طرح سے مایوس کئی لوگ
جیسے کہ بہاروں کی دعا کر نہیں سکتے

ہم عہد وفا کے لئے پابند ہیں اے تاج
ہم تم سے کسی حال جفا کر نہیں سکتے





روشن ہے تری راہوں میں دیا آہستہ گزر آہستہ گزر
 چھو لے نہ اسے دامن کی ہوا آہستہ گزر آہستہ گزر
 جب خون کے آنسو ٹپکیں گے، کچھ پھول بھی دل کے ہکیں گے
 ہے دید مجھت سب سے جدا آہستہ گزر آہستہ گزر
 منزل ہی سمٹ کر آئے گی، یہ فاصلے خود مٹ جائیں گے
 اب اور کہوں کیا اس کے سوا آہستہ گزر آہستہ گزر
 مانا کہ زمانہ بھول گیا، وہ عہد وفا بھی جھوٹا تھا
 دیتا ہے کوئی پھر تجھ کو صد آہستہ گزر آہستہ گزر
 کچھ لوگ ابھی تک راہوں میں، آنکھوں کو بچھلے بیٹھے ہیں
 اے جانِ جگر اے جانِ وفا آہستہ گزر آہستہ گزر
 یہ رنگ تمنا کم تو نہیں، تصویرِ وفا میں بھرنے کو
 کیا رنگِ شفق کیا رنگِ حنا آہستہ گزر آہستہ گزر
 ملنے کو کوئی پھر آیا ہے اور وقت یہ گزرا جاتا ہے
 اے تاج تو اتنا کہہ دے ذرا آہستہ گزر آہستہ گزر





سب لوگ کہہ رہے ہیں عنایت ہے زندگی
ہم کیا بتائیں کس کی امانت ہے زندگی

سہ کو جھکایا ہم نے تو احساس یہ ہوا
سجدہ ہی زندگی ہے عبادت ہے زندگی

کیا کیا نہ ہم پہ گزری سنانے سے فائدہ
ہم پھر بھی جی رہے ہیں کہ عادت ہے زندگی

دو چار دن کی اپنی مصیبت کا ذکر کیا
اپنے لئے تو روز قیامت ہے زندگی

چشمِ کرم کی طرح سے ملتے ہیں سب مگر
ہم سے نہ پوچھو کس کی بدولت ہے زندگی

کس سے تیرا شتہ ابھی تک نہ کھل سکا
ہم کو یہی تو تجھ سے شکایت ہے زندگی

بکھرے ہوئے سے بال ہیں چہرہ ادا اس ہے
اب تاج میں بھی تیری شبابہت ہے زندگی





کبھی رشتہء دل کے بارے میں سوچو
مجھے اجنبی کی طرح سے نہ دیکھو

ہر اک غم کا اپنے مداد ابھی ہوسکا
نہیں تابِ گویائی، آنکھوں سے یوں

کہیں پھر نہ ساحلِ پہ لے آئیں تم کو
سیفِ نہ کو لہروں کی زد پہ نہ چھوڑو

حقیقت میں ظالم ہے پھر رخ کہن یہ
محبت بھرے گئے خوابوں میں دیکھو

کوئی تم سے بدلہ نہ لے غفلتوں کا
خدا کے لئے دل کسی کا نہ توڑو

شبِ غم کی تاریکیاں بڑھ نہ جائیں
اگر ہو سکے مجھ کو آواز دے لو

نہیں آئے گی تاجِ فصلِ بہاراں
چمن کی فضا سے نہ یوں دور ٹھہرو





دل کے آنکھ میں پھر اُتر آئے
 شبہی خواب جیسے کچھ سائے
 کیسا موسم ہے یہ خدا جلنے
 اجنبی بن گئے ہیں ہمسائے
 لوٹ آئے خدا کرے ماضی
 میری تقدیر پھر سنو جائے
 جن کو میرا جواب تھا معلوم
 وہ مرا نام لے کے پچھتائے
 لوگ ویرانیوں میں بھی نوش ہیں
 ہم تو گلشن میں آکے گھبرائے
 نام پوچھا کسی نے جب اپنا
 ہم ترا نام لے کے اترائے
 تاج کی شکل ہی کچھ ایسی ہے
 آئینے، آئینوں سے ٹکرائے





ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اک راز دے گیا ہے
 جاتے ہوئے وہ مجھ کو اعزاز دے گیا ہے
 نغمہ حیات کا اب مجھ سے سننے زمانہ
 ہاتھوں میں دیکھ کوئی پھر ساز دے گیا ہے
 کچھ لوگ صحنِ گل سے پہنچے ہیں پھر قفس میں
 یہ حادثہ بھی شوق پر واز دے گیا ہے
 اب میری چشمِ نم میں آنسو کہاں ہیں باقی
 کوئی مجھے خوشی کا اعزاز دے گیا ہے
 ہر سمت فصلِ گل کا منظر بدل گیا ہے
 صحرا میں کوئی مجھ کو آواز دے گیا ہے
 اے تاج جاتے جاتے اک لمحہ آرزو کا
 مجھ کو بھی زندگی کا انداز دے گیا ہے





جو زمانہ محبت ہے وہ سب کھیل رہے ہیں
 اس ندرم میں ہم تمام تھرا بول رہے ہیں
 دیوانے ہی ٹکراتے نہیں بام قفس سے
 اڑنے کے لئے ہم بھی تو پر تول رہے ہیں
 ہاتھوں کو مصدور کے ذرا غور سے دیکھو
 پیالے میں جو اب رنگِ حنا گھول رہے ہیں
 رسوا ہمیں کرنے لگے دانستہ کئی لوگ
 یہ آپ کے بارے میں بھی کچھ بول رہے ہیں
 جو آج سخاوت کا لئے پھرتے ہیں پرہیز
 ہاتھوں میں انہی لوگوں کے کشکول رہے ہیں
 پہنچیں گے نہ ساحل پہ کبھی اُن سے یہ کہہ دو
 جو لوگ سفینوں کی طرح ڈول رہے ہیں
 اک عمر سے خاموش رہا کہہ دیتے ہیں ہم تاج
 ہے آپ کا اصرار تو ہم بول رہے ہیں





صحرا بھی تو چلبے ہے پھولوں سے سنور جانا
 اے بادِ صبا آنا، آکر نہ گزرہ جانا
 کانٹوں کی آب تو پھولوں کے قریں ہیں ہم
 خوشبو کی طرح تم بھی گلشن میں بکھر جانا
 ادنیٰ سا کرشمہ ہے یہ ربطِ مسلسل کا
 دریا کے کنارے پہ موجوں کا لہر جانا
 اک عمر کٹی لیکن ہے یاد مجھے اب بھی
 بادل کے گر جتے ہی تنہائی میں ڈر جانا
 معصوم تمنا کا بس اتنا ہی حاصل تھا
 بارش کی پھواروں میں کچھ اور نکھر جانا
 دریا سے نکل کر ہم آجائیں گے اک دن تاج
 ممکن ہو تو ساحلِ ہر چپکے سے ابھر جانا





دل ہمارا فکرا مانگے ہے
گوشت پر بہار مانگے ہے

زندگی اب بھی تیری محرومی
فصلِ گلِ بار بار مانگے ہے

جبر ہی جبر ہے زمانے میں
زندگی اختیار مانگے ہے

دل کو اب صبح تو کی ہے خواہش
شام بھی خوشگوار مانگے ہے

ہم کو پھر بیٹھنا ہے چوکھٹ پر
کوئی پھر انتظار مانگے ہے

کب وہ عہد وفا کے قابل ہے
ہم سے جو اعتبار مانگے ہے

تاج سب ہی یہاں شہنشاہ ہیں
دل مگر غمگسار مانگے ہے





اب کیا بتائیں تجھ کو، کیوں شادماں ہوئے ہیں
 تیری ہی طرح ہم بھی اے مہرباں ہوئے ہیں
 ہر شخص پٹھ رہا ہے، ہم کو کتاب جیسے
 ہم زندگی کی مثال اک داستاں ہوئے ہیں
 کیا کچھ بنا دیا ہے اب ہم کو ضبطِ غم نے
 دنیا سمجھ رہی ہے ہم بے زباں ہوئے ہیں
 آہٹ ہے زندگی کی یا ہے ہوا کا جھونکا
 آوازِ پایہ تیری کیا کیا گماں ہوئے ہیں
 ہم کو ملی ہے منزلِ خود اپنے حوصلے سے
 کچھ لوگ غفلتوں سے بے خانماں ہوئے ہیں
 احساس ہو رہا ہے پرواز کرتے کرتے
 ہم بھی ترے مقابل اے آسماں ہوئے ہیں
 اے تاج کیا بتائیں دل کا، عمارتِ عالم
 ہم کتنی مشکلوں سے شیریں پہیاں ہوئے ہیں





کوئین کی دولت ابھی ٹھکرائی کہاں ہے
 خود میں نے ترے دل میں جگہ پائی کہاں ہے
 ملتے ہیں سبھی لوگ یہاں اجنبی بن کر
 اتنی تری محفل سے شناسائی کہاں ہے
 مانا کہ لب و لہجہ تر اسب سے جدا ہے
 لیکن تری باتوں میں وہ گہرائی کہاں ہے
 کھل جائیں اگر بھول تو گلچیں کا بھی ڈر ہے
 لیکن ابھی گلشن میں صبا آئی کہاں ہے
 اب آپ سر دل کو جلاتے ہیں مسلسل
 پہلے سا وہ اندازِ مسیحائی کہاں ہے
 ہر وقت کیا کرتا ہے مجھ سے کوئی باتیں
 پہلے کی طرح تاج وہ تنہائی کہاں ہے





جنہیں لوگ ”اہلِ سخن“ بولتے ہیں
 ہم اُس کو بھی دیوانہ پن بولتے ہیں
 زمانہ ستم گرہے کتنا یہ سوچو
 یہ لوگوں کے زخمی بدن بولتے ہیں
 لہو آستینوں کا بولے نہ بولے
 یہ سچ ہے کہ دار و رسن بولتے ہیں
 جلس کتنی لاشیں ہواؤں سے پوچھو
 کٹے کتنے سر یہ کفن بولتے ہیں
 بہاریں تو آئیں ہیں اب کے برس بھی
 یہ پوچھو کہ کیا کچھ چمن بولتے ہیں
 جہاں پر مہکتے ہیں اُلفت کے گلشن
 اُسے تاج اپنا وطن بولتے ہیں





ہر شخص ترے غم کا خریدار لگے ہے
 اسے زندگی! اب تو مجھے بازار لگے ہے
 دنیا میں نہیں لگتا مجھے کوئی بھی اپنا
 ہر کوئی مجھے تیرا طرفدار لگے ہے
 کیوں شہر میں ملتا نہیں اب کوئی مسیحا
 ہر شخص مجھے پہرے سے بیمار لگے ہے
 مانا کہ تجھے تابِ شکیبائی ہے لیکن
 یہ بات الگ ہے یہی اظہار لگے ہے
 تجھ سے نہیں خود اپنی نگاہوں سے گلہ ہے
 ہر پھول چمن کا ترے اب غار لگے ہے
 ہے تلج مری زلیت کا ہر لمحہ معیبت
 اب عرضِ تمنا بھی مجھے بار لگے ہے





گھر اپنا کسی گھر کے برابر نہیں دیکھا
میں نے کسی ہمسائے کا منظر نہیں دیکھا

چلتے ہوئے منزل کی جو دے مجھ کو بشارت
میں نے کبھی اس طرح کا رہبر نہیں دیکھا

یوں موجِ تلاطم سے ڈراتے ہو مجھے تم
جیسے مری آنکھوں نے سمندر نہیں دیکھا

یہ سچ ہے کہ ہم شاخِ گلِ تر کی طرح ہیں
دنیا نے ہمیں صورتِ خنجر نہیں دیکھا

آئینے تو ٹکراتے ہی رہتے ہیں ہمیشہ
پتھر کے مقابل کبھی پتھر نہیں دیکھا

محسوس تو ہوتا ہے تعاقب میں ہیں تجھے لوگ
میں نے کبھی چلتے ہوئے مڑا نہیں دیکھا

اے تاجِ تجھے دیکھ کے کہتا ہے زمانہ
ایسا تو کہیں درد کا پیکر نہیں دکھا





ہر لمحہ ترے غم سے سنورتے رہے ہم لوگ
 ہر دور میں ساحل پہ ابھرتے رہے ہم لوگ
 آگے تو ہمارے تھی بلندی ہی بلندی
 کس طرح خدا جانے اُتے رہے ہم لوگ
 اب کیسے بتائیں کہ یہاں کیسی فضا تھی
 خود اپنے ہی سائے سے بھی ڈرتے رہے ہم لوگ
 ہر گز نہ سمجھنا کہ تھے ساحل پہ بھی خاموش
 طوفانوں کا اندازہ بھی کرتے رہے ہم لوگ
 یہ زندگی اک پل بھی ہمیں راس نہ آئی
 جینے کے لئے روزہ ہی مرتے رہے ہم لوگ
 ٹھہرے رہے تم تاج ہمیشہ کی طرح سے
 اور وقت کی مانند گزرتے رہے ہم لوگ





گذری باتوں کو بھول جانے دے
زندگی اب تو مسکرائے دے

دل تو اکثر اُداس رہتا ہے
کوئی نغمہ کبھی سنانے دے

حل کوئی میری غمگساری کا
تجھ سے مشکل اگر ہے، جانے دے

رہنماؤں سے تو ہم نٹ لیں گے
راہبید! ہم کو رہ پہ آنے دے

اب تبسم پہ اعتراض نہ کر
عظمتِ غم مجھے بڑھانے دے

ان چراغوں سے فائدہ کیا ہے
آگ لگ جائے گی بجھانے دے

دور بھی کچھ پیام دینا ہے
تاجِ قاصد کو میرے آنے دے





زندگی دیکھ تلاطم سے گزر آئے ہیں
 ہم سب ایوں کی طرح پھر سے ابھر آئے ہیں
 راہ میں ہم کو پتھر عذوں کی ضرورت نہ رہی
 نقش پا آپ کے جب ہم کو نظر آئے ہیں
 ظلمت شب کے تصور سے یہ دردناکیسا
 آپ کے گھر میں تو ہم بن کے سحر آئے ہیں
 اب تو خوابوں کی طرح اُن کو چھپا کر رکھو
 جو ستارے مری پلکوں پہ اُتر آئے ہیں
 کیجئے دیدہ پُر تم سے ہماری خاطر
 ہم تو مہمان ہیں اور آپ کے گھر آئے ہیں
 تاج کیوں کی تھی بہاروں کی تمنا تم نے
 خاک سے خون سے دیوانے سنو آئے ہیں





یہ سچ ہے کہ کچھ لوگ رُسوا ہوئے تھے
تمھاری ہی خاطر تماشا ہوئے تھے

جہاں آپ آئے تھے سیرِ چین کو
وہی سارے گلشن تو صحرا ہوئے تھے

ہماری نطفہ کا کرشمہ تھا یہ بھی
سراپوں کے منطفہ بھی دریا ہوئے تھے

تمھاری ہی محفل کی رونق تھے ہم بھی
تمھاری ہی محفل میں تنہا ہوئے تھے

ابھی تک نظاروں میں ہے روشنی سی
کبھی ہم ستاروں سے گویا ہوئے تھے

ترے زخیمِ دل ہی بیتِ تاجِ دینگے
تو مانے میں مکتے مسیحا ہوئے تھے





آئی کدھر سے کالی گھٹا جانتے نہیں
 ہر لوگ دھوپ، ٹھنڈی ہوا جانتے نہیں
 اتنی تو ہے خیر کہ چین میں ہیں قید ہم
 یادِ سموم، یادِ صبا جانتے نہیں
 آہٹ سنی اک سُنائی تو دیتی ہے ہر گھڑی
 آئی کہاں سے ہے یہ صدا جانتے نہیں
 حالانکہ زندگی ہی عبادت ہے کیا کریں
 اس پر بھی لوگ حرفِ دُعا جانتے نہیں
 تو ہین لوگ کرتے ہیں کس اہتمام سے
 العام یہ ہے یا ہے سسر اچانتے نہیں
 وہ ناشناسِ غم ہے تو رہنے بھی دیجئے
 کیا تم بھی تاجِ طرزِ وفا جانتے نہیں





یہ موجِ حوادث ہے چلتی ہی رہے گی
 اس پیرِ مری کشتی سنہلے ہی رہے گی
 تم اپنی نظر سب سے بچائے ہوئے رکھنا
 دنیا کو بدلنا ہے، بدلتی ہی رہے گی
 آپ آئیں نہ آئیں مجھے اس کی نہیں پروا
 یہ شمعِ تمنا بونہی جلتی ہی رہے گی
 مگر خواب نہیں ہیں تو یہ آنسو ہیں غنیمت
 حسرت مرے دل کی تو نکلتی ہی رہے گی
 ہے زندگی اک شمع کی صورت میں فروزاں
 یہ غم کی حرارت سے پگھلتی ہی رہے گی
 کب وقت کے لمحات گرفتار ہوئے ہیں
 یہ شامِ تمنا ہے سو ڈھلتی ہی رہے گی
 تم تاجِ ستاروں کو رکھو اپنی نظر میں
 ہر رات نیا رنگ بدلتی ہی رہے گی





طے کر لیا ہے تحفہٴ فصل بہارِ دہلی
 اس سوچ میں ہوں پھول نہیں دہلی کہ خارِ دہلی
 کہتا ہے مجھ سے دل مرا میں بھی اُداس ہوں
 میں خود ہوں بے قرار مجھے کیا قرارِ دہلی
 صدقے اے زندگی تیرے حسن و جمال کے
 جی تو یہ چاہتا ہے کہ میں خود کو وارِ دہلی
 جو نافِ اٹھا چھوڑ کے مجھ کو چلا گیا
 آوازِ اب میں کیسے اُسے بار بارِ دہلی
 مدت کے بعد آج یہ فرصت ملی مجھے
 جو بارِ غم ہے دل پہ میں اُس کو اتارِ دہلی
 مجھ سے تو تاجِ دل کی حفاظت نہ ہو سکی
 آئے غمِ حیات! تجھی کو سنوارِ دہلی





لگتا ہے کہ ہم لوگ پریشان رہیں گے
 جینے کے بہت کم یہاں سامان رہیں گے
 مقتل کی فضاؤں سے کبھی خوف نہ کھانا
 اسے زندگی! ہم تیسرے نگہبان رہیں گے
 ہو جائے گا اعزاز تو واضح مجھے حاصل
 کچھ دن کے لئے آپ جو مہمان رہیں گے
 مل جائیں گے جب بھی تری آنکھوں کے اجالے
 شائستہ نظر والے پشیمان رہیں گے
 بہت ہے سہ نرم تعافل ہی برتنا
 پہچان کے ہم آپ کو انجان رہیں گے
 اسے تاج چھپا لیجئے اب خود کو بھنور میں
 ساحل کی طرف بھی کئی طوفان رہیں گے





یہ شامِ غم مراد امن بھگونے والی ہے
 غمِ حیات ٹہر، صبح ہونے والی ہے
 بہت سے لوگوں کو شائد نہیں یہ انداز
 یہ موجِ غم ہی تو ہم کو ڈبونے والی ہے
 نہ جانے کس لئے اب ہم کو ایسا لگتا ہے
 بہارِ پاؤں میں کانٹے چھبھونے والی ہے
 تمام عمر جو صحرا میں کٹ بھی جائے تو کیا
 صبا تو مسندِ گل پر ہی سونے والی ہے
 یہ سوچ کر ہی جلایا ہے آرزو کا چراغ
 یہ روشنی بھی اندھیروں میں کھونے والی ہے
 سنا ہے ہم نے بھی اے تاج کوئی رُت آ کر
 ہماری پلکوں میں موتی پرونے والی ہے





اس انتہائے درد کی تعظیم کیجئے
 مگر درد مشترک ہے تو تقسیم کیجئے
 افسانہ و حیات کو رکھنا ہے جوں کا توں
 نوان دیجئے نہ ہی ترسیم کیجئے
 ہیں آپ اشک بار تو دامن ہمارا نم
 ہم بھی ہیں پاس آپ کے تسلیم کیجئے
 جھگڑا ہوا ہے گردِ دشنِ دوریاں سے آج پھر
 اب درمیاں میں آئیے تقسیم کیجئے
 آکے نہ جاؤں اب کے یہ موسم ہمارا کا
 اب کے چمن میں ایسی ہی تنظیم کیجئے
 ہم شہرِ خرو ہوئے ہیں کسی تاج کی طرح
 ہم بھی متاعِ زیست ہیں تکریم کیجئے





جب تک ہمارے غم سے تمہیں واسطہ نہ تھا
 دنیا میں کوئی تم کو بھی پہچانتا نہ تھا
 اُس چاند سی لکیر میں اب بھی ہے روشنی
 جس کا کبھی اُجالوں سے کچھ رابطہ نہ تھا
 کیوں ہے اُداس آپ کا چہرہ بتائیے
 میں نے غزل سنائی تھی وہ مرثیہ نہ تھا
 دشواری حیات سے رنجیدہ ہم بھی تھے
 رنج و الم کو سہنے کا جب حوصلہ نہ تھا
 مغرب کی سمت آپ ہیں مشرق کی سمت ہم
 پہلے تو اس طرح کا کوئی فاصلہ نہ تھا
 اے تاج ہم بھی آئینہ خالوں میں آگئے
 اپنی طرح یہاں پہ کوئی دوسرا نہ تھا





غم کو دل سے جُدا تو کیا کرتے
ہو گئی تھی خطا تو کیا کرتے

ہم نے دامن جلا دیا اپنا
بجھ رہا تھا دیا تو کیا کرتے

سیر گلشن کی آرزو تھی مگر
منطِبہ تھی صبا تو کیا کرتے

شمع خود ہم نے ہی بجھا ڈالی
تھی مخالف ہوا تو کیا کرتے

ہم نے محفوظ رکھا آئینہ
ہاتھ سے گر گیا تو کیا کرتے

تاج تنہائی ہم پہ ہنستی تھی
ہم نہ ہوتے خفا تو کیا کرتے





نظامِ دہریں اب فرقِ خاص و عام کہاں
ہمارے غم کا نہ مانے میں احتدام کہاں

حیات، کشمکش درد ہی کا نام نہیں
سکونِ دل بھی ہے لیکن اسے دوام کہاں

ٹھہر ٹھہر کے ہر اک سانس آتی جاتی ہے
طویلِ زندگی اپنی، ابھی تمام کہاں

شکستہ یا ہوں مرے سامنے ہی منزل ہے
لیا ہے شوقِ سفر نے بھی انتقام کہاں

اب ایک دشت کی صورت بنے ہیں سب گلشن
نسیمِ صبحِ چمن آج خوش خرام کہاں

فلک ہے چاند ستارے ہیں اور ثریا ہے
مری نگاہ مگر اُن سے ہم کلام کہاں

بلایا تاجِ تجھے تو نے یوں تو محفل میں
خبر تجھے بھی نہیں ہے مرا مقام کہاں





پھر سے کئی دیئے مری پلکوں پہ جلی گئے
دامن میں تیرے اشکوں کے جب پھول ڈھل گئے

دنیا بدل گئی ہے ہمیں اس کا غم نہیں
افسوس ہم کو یہ ہے کہ تم بھی بدل گئے

صفحاتِ دہ پہ آج بھی کچھ نقش ہیں عیاں
اور اق تیری میری کتابوں کے جل گئے

بے نام حسرتوں نے دیا کچھ صلہ یہاں
ارمان جتنے دل میں تھے، دل سے نکل گئے

پستی میں کچھ بھی ہو کبھی گم نہ پائے ہم
آئے کئی فدا نہ مگر ہم سنبھل گئے

خوشبو کو لے کے آتی تھی زنداں میں بھی ہوا
جب ہم قفس سے نکلے تو موسم بدل گئے

اسے تاجِ دل کو جب ہوئی غلوں کی آرزو
ہم ریت کے مکان بنا کر بہل گئے





مرے خلوص کو اب تم کبھی نہ ٹھکرا نا
 پھٹک نہ جائے کہیں نہ ندگی کا پیمانہ
 نہیں ہے فکر کہ اہل وفا ملے نہ مجھے
 یہ دل خلوص و وفا کا ہے اب بھی دیوانہ
 یہ چاند تارے کبھی ہم نہ کاب تھے میرے
 سکھایا اگر دشمنوں کے دوراں نے ان کو ٹکرا نا
 جو ہو سکے تو چلے آؤ دل کی محفل میں
 ہمیں یہ ڈر ہے کہ دل ہو نہ جائے ویرانہ
 زمانہ پڑھنے لگا ہے بڑی عقیدت سے
 تمہارے نام جو لکھا ہے ہم نے افسانہ
 ہوا ہے تلج یہی ایک تیرے جانے سے
 ہماری بزم میں اب شمع ہے نہ پروانہ





سلوک آپ کا ویسے بھی اک قیامت ہے
 ہمارا ضبطِ الم بھی مگر سلامت ہے
 کسی ستم پہ بھی فریاد ہم نہیں کرتے
 یہی اصولِ محبت ، یہی روایت ہے
 نہ جانے کس لئے تم اس قدر پریشاں ہو
 ہمیں تو تم سے نہ شکوہ نہ اب شکایت ہے
 سبھی یہ جانتے ہیں میرا مرتبہ کیا ہے
 ہوا ہے نام تو یہ آپ کی عنایت ہے
 نہیں ہیں آپ اگر قدر داں تو کیا غم ہے
 خلوص ، پیار ، وفا تو ہماری عادت ہے
 تمام عمر ، حفاظت ہیں کو کرتی ہے
 ہمارے پاس یہ غم آپ کا امانت ہے
 جہاں میں تلج رہی بات ہم بھی سمجھ میں
 خلوص ، پیار سے جیتا بھی اک عبادت ہے





سوچا بھی نہ تھا ہم نے کہ چل جائیں گے اک دن
شعروں کی طرح ہم بھی پگھل جائیں گے اک دن

اس طرح سے ہم کو نظر انداز نہ کیجئے
ہم آپ کی محفل سے نکل جائیں گے اک دن

ہے ربطِ غمِ دوراں سے اب تک ہمیں لیکن
ہم بھی غمِ جاناں سے بہل جائیں گے اک دن

حالات یہ مانتا کہ موافق نہ ہیں اپنے
یو حادثے دے ہیں وہ ٹل جائیں گے اک دن

یہ پیش قیاسی تو بہت پہلے ہوئی تھی
یہ دل کو یقینِ نفاذ بدل جائیں گے اک دن

بہکے ہوئے ہیں اپنے قدم آج تو کیا غم
اے تاجِ یقین ہے کہ سنہل جائیں گے اک دن





مجھ سے کسی دور ہے پہ ٹہرا نہیں جاتا
زندگی اب تجھ کو بھی دیکھا نہیں جاتا

ساتھ اس کے چلی جاتی ہیں محرومیاں کتنی
محفل سے تری کوئی اکیلا نہیں جاتا

رہبر کی طرح بھیس بدل آئے ہیں رہزن
مٹزل کا پتہ ایسے میں پوچھا نہیں جاتا

رہبر ہو مجھے ساتھ رکھو غم کے سفر میں
رستے میں مسافر کو یوں چھوڑا نہیں جاتا

حسرت کی نظر سے ہیں سب دیکھ رہے ہیں
کچھ حال ہی ایسا ہے کہ بولا نہیں جاتا

کیا جانیئے کون آیا یہاں سیرِ جن کو
وہ حال نگہوں کا ہے کہ دیکھا نہیں جاتا

اے تاجِ خدا جانے یہ کیا مجھ کو ہے
اب تو ترے بارے میں بھی سوچا نہیں جاتا





آئینہ لئے پھر کوئی حیران کھڑا ہے
 ایسے لوگو! مرے چہرے پہ کیا ایسا لکھا ہے
 شاید کہ تمہارے دل کے حکاں میں نہیں کوئی
 دروازہ یہ دستک سے مری ٹوٹ چکا ہے
 دیوانہ مرے گھر کی ہی دہلیز پہ آکر
 کیوں مجھ سے تمہارے گھر کا پتہ پوچھ رہا ہے
 سب اپنی طرف سے مجھ کو سمجھتے رہے لیکن
 جینے کا مرے آج بھی اندازہ جدا ہے
 اب ذکرِ وفا پر بھی ہنس سی آتی ہے مجھ کو
 اب پاسِ وفا ہے نہ کوئی عہدِ وفا ہے
 دریائے آلم میں مرے خوالوں کا سفینہ
 ساحل کی طرف آتے ہوئے ڈوب گیا ہے
 سب تاجِ غزل تیری پٹہ مٹا کرتے ہیں اکثر
 ہاتھوں کی لکیروں کو یہاں کس نے پٹہ مٹا ہے





یہ سن رہے ہیں نئے لوگ آنے والے ہیں
نئی طرح سے وہ گلشنِ سبجانے والے ہیں

تنی ہے رات کی چادر تو کوئی بات نہیں
تہیں بھی خواب سے اب ہم جگانے والے ہیں

اک اور باب ہمیں زندگی کا پڑھنے دو
ہم اپنے نقشِ تمنا مٹانے والے ہیں

خزاں کا دور ہو چاہے وہ موسمِ گل ہو
ہر ایک حال میں ہم مسکرانے والے ہیں

تم اپنے دل کے اندھروں سے اب نہ گھبراؤ
چراغِ آرزو ہم بھی جلاتے والے ہیں

ابھی تو واسطہ لوگوں کا ہم سے باقی ہے
پھر اس کے بعد ہمیں سب بھلانے والے ہیں

کچھ اپنا درد بھی اے تاجِ ہم کو دے دیجے
ہم اپنے ضبط کی غلط بڑھانے والے ہیں





اشکوں کے قطرے قطرے کو دریا کریں گے ہم
 یونہی غم حیات کا چرچا کریں گے ہم
 ساحل پر چھوڑ جائیں گے جب ناخدا ہمیں
 موجوں کی سمت دور سے دیکھا کریں گے ہم
 ہم کو تمام غم ملے عکاس نہ کچھ یہاں
 پانے کی تم کو پھر بھی تمنا کریں گے ہم
 قاتل ہے یا مسیحا، خدا جانے کون ہے
 مل کر کسی سے ایسے بھی سوچا کریں گے ہم
 عہد وفا کہ ضبط الم، ترک آرزو
 اک لمحہ حیات میں کیا کیا کریں گے ہم
 ایسا کہاں مقام ہے منزل کہیں جسے
 ہر ایک راہرو سے یہ پوچھا کریں گے ہم
 مدت سے تاج ہم سے گریزاں ہے زندگی
 اب تجھ کو یاد کر کے ہی بہلا کریں گے ہم





آئینہ انہیں لوگ دکھاتے رہے اکثر
 جو اپنے ہی چہرے کو چھپاتے رہے اکثر
 دستک بھی وہ دیتے ہوئے گھیرنے لگے ہیں
 جو در پہ کبھی آپ کے آتے رہے اکثر
 شمعوں کی طرح تم ہی نہیں ہو یہاں روشن
 ہم بھی تو یہاں دل کو جلاتے رہے اکثر
 پہچان نہیں پایا کبھی اُن کو نہ مانہ
 آواز سے آواز بٹاتے رہے اکثر
 کچھ ایسے بھی بے نام و نشان لوگ ملیں گے
 لکھ لکھ کے ترا نام مٹاتے رہے اکثر
 اے تاجِ خرد مندی کا اعجاز ہے شاید
 دیوانہ ہمیں لوگ بناتے رہے اکثر





کیسی بہاریں، کیسا موسم
آنکھیں ہماری، شبنم شبنم

کون آیا تھا جس کے قدم سے
نظم گلستاں درد ہم برہم

آخری حد ہے سوزِ جگر کی
کیسی دوا اب کیسا مرہم

کچھ تو مدادِ دل کا کیجئے
بدلا ہوا ہے درد کا عالم

قائم دونوں اپنی جگہ ہیں
خبطِ الم اور دردِ پیہم

جلنے کب دیکھا تھا، ہم نے
آج تک ہے خواب کا عالم

کیسی ہوا یہ تاجِ چلی ہے
شمعِ تمنا ہو گئی مدہم





کوئی بھی شے مجھے مجبور کر نہیں سکتی
 مری نگاہ کہیں بھی ٹھہر نہیں سکتی
 کھلے ہیں سجدوں کے کچھ پھول انکی چوکھٹ
 یہ کام بادِ صبا یوں بھی کر نہیں سکتی
 خود اپنے حال کو ایسے بگاڑا لوگوں نے
 کہ جیسے گردشِ دوراں سنو نہیں سکتی
 ہمارا رشتہ اُجالوں کی سرزمین سے ہے
 اندھیری رات سے یہ صبح ڈر نہیں سکتی
 مرے خدائے کچھ ایسی نطفہ عطا کی ہے
 اُنق کے پار بھی جا کر ٹہر نہیں سکتی
 ہم ایسی بات کبھی لب پہ لا نہیں سکتے
 جو بات آپ کے دل میں اتر نہیں سکتی
 سمٹ کے آئی ہے اے تاج تیری آنکھوں میں
 ہماری زندگی اب تو بکھر نہیں سکتی





چمن کی فضا کب کسے راس آئی
مسلل اسیری، مسلل رہائی

کبھی زندگی ہم شناسا تھے تیرے
صلیبوں پہ تیری بہت یاد آئی

جو آئینہ دیکھا ہوئے ہم بھی حیراں
یہ تصویر، پتھر پہ کس نے بنائی

کئی دستکیں راٹھی گال ہو گئی ہیں
ترے گھر تلک بھی نہیں ہے رسائی

کبھی اے چمن والو آکر تو دیکھو
قفس میں بھی ہوتی ہے نغمہ سرائی

جدھر جی میں آئے قدم اب بڑھاؤ
محبت کے رستے میں کیا رہنمائی

ہمیں تاج بن کر چمکنے لگے ہیں
ہمیں نے تو کی تھی یہاں پہ گدائی





ہم فکر کے صحرا میں بھٹکتے نہیں رہتے
چٹانوں کی مانند سرکتے نہیں رہتے

دامن سے لپٹ جاتے ہیں کانٹوں کی طرح ہم
لوگوں کی نگاہوں میں کھٹکتے نہیں رہتے

تم شوق سے پھر سیر حین کے لئے نکلو
سب گوشے گلستاں کے ہیکے نہیں رہتے

ہم لوگ سناتے ہیں قفس میں بھی ترلے
ہم یادِ گلستاں میں سسکتے نہیں رہتے

ساحل کی فضاؤں میں بھی سرشار ہیں ہم لوگ
موجوں کی طرح سرکھٹکتے نہیں رہتے

کیوں عارضی دوری کا شکوہ تجھے اے تاج
کیا ہم تیرے سینے میں دھڑکتے نہیں رہتے





منزل کا پتہ نقش قدم بول رہے ہیں
ہم ساتھ ہیں یہ دیر و حرم بول رہے ہیں

حالات نے کچھ ایسا ہی مجبور کیا ہے
کچھ لوگ ستم کو بھی کرم بول رہے ہیں
روشن ہے ابھی شام، اُجالوں کے کرم سے
کیوں آپ اسے شامِ الم بول رہے ہیں
کرنے جو چلتے مرے زخموں کا مداوا
وہ آپ کے دامن کو بھی نم بول رہے ہیں
سناٹا نہ ہو جائے تری بزم پہ طاری
اس واسطے ہم بزم میں کم بول رہے ہیں
یہ وسعتِ کونین بھی کافی نہیں ہم کو
ہر سمت سے ہر گام پہ ہم بول رہے ہیں
پھولوں کی طرح ہونٹوں پہ ہے تاجِ تبسم
دیوانے مگر خوشیوں کو غم بول رہے ہیں



انتساب

تاج کے سہ تاج (حبیب احمد بانقیہ) کے

نام

ہے تاج کے دامن میں جھپکتے ہوئے کچھ پھول
یہ جرم بھی اے بادِ صبا میں نے کیا ہے

فاطمہ تاج



آتشِ غم کو آبِ مت سمجھو
ہم کو خانہ خرابِ مت سمجھو

ہم بھی پہنچے ہیں اپنی منزل پر
خود کو ہی کامیابِ مت سمجھو

اشکِ غم کا بھی اس سے رشتہ ہے
یہ ہے دریا، کسِ ابِ مت سمجھو

اپنے چہرے کو دیکھ لو ہلے
آئینے کو خرابِ مت سمجھو

یہ ہے مکتوبِ زندگی میرا
اس کو ہرگز کتابِ مت سمجھو

الٹھی سانسوں کے ہم مقابل ہیں
ہم کو فرصت کا بابِ مت سمجھو

ہم کو خاموشیوں کی عادت ہے
تاجِ اس کو جوابِ مت سمجھو





پہلو غم اُلفت میں ایسے بھی نکلتے ہیں
 کچھ تم بھی بدلتے ہو کچھ ہم بھی بدلتے ہیں
 اک رشتہ باہم ہے ہم دونوں میں مدت سے
 تم روز محکمے ہو ہم روز پگھلتے ہیں
 رہنا ہے اُجاڑوں کو محفوظ یہ ہر صورت
 تنکے تو آشین کے ہر شام ہی جلتے ہیں
 رفتار پہ ہوتا ہے غز شس کا گماں اکٹہ
 جب نقش قدم تیرے ہم دیکھ کے چلتے ہیں
 کرتے ہیں تبسم سے ہر حال پذیرائی
 کچھ اشکِ الم پھیر بھی آنکھوں میں مچلتے ہیں
 اعزاز، تغزل کا تم کو ہی نہیں حاصل
 الفاظ ہمارے بھی احساس میں ڈھلتے ہیں
 معیار ہے یہ اپنا دورانِ سفر اب بھی
 ہم تاج وہ راہی ہیں، گرتے، نہ سنبھلتے ہیں





مری سمت جب اک نگاہ غضب تھی
 ہر اک ساعتِ غم مری تشنہ لب تھی
 ہمارے بھی دامن کو الجھا گئی وہ
 نسیم بہاراں بڑی بے ادب تھی
 تمھاری مسیحائی کام آگئی ہے
 حیاتِ تمتا مری حیاں بلب تھی
 وہی اک نظر تو کھٹکتی ہے اب بھی
 مرے زحیم دل کا کبھی جو سبب تھی
 وہ ماضی کا موسم بھی تھا کتنا روشن
 وہ خوابوں کی دنیا بھی کتنی عجب تھی
 نہ مانہ مجھے تلج کہنے لگا ہے
 مرے حال پر یہ عنایت بھی کب تھی





کوئی موجِ غمِ دل کے اندر نہیں ہے
 اب آنکھوں میں اپنی، سمندر نہیں ہے
 یہ کم تو نہیں ہے کہ تم سامنے ہو
 بہاروں کا مانا کہ منتظر نہیں ہے
 نہیں ہے تمہارے ہی گھر میں اندھیرا
 ہماری بھی دنیا منور نہیں ہے
 ہمارے بھی ہاتھوں میں ہے آئینہ اب
 کسی ہاتھ میں کوئی پتھر نہیں ہے
 ابھی ہے غمِ دوراں ہم پہ مُسلط
 ابھی اپنا روشن مقدر نہیں ہے
 سسکی لوگ سانس بدست آج بھی ہیں
 یہاں تاج کوئی سکندر نہیں ہے





خوابوں میں اُجبالوں کا اثر ڈھونڈ رہے ہیں
 ہم نہ لیست کو اب شام و سحر ڈھونڈ رہے ہیں
 کیا جانئے انجام ہو کیا راہ و فنا میں
 لیتا نہیں کوئی بھی مگر ڈھونڈ رہے ہیں
 کب جانے کریں گے یہ مسیحا مرا درِ ماں
 کچھ لوگ ابھی نہ حسم جگر ڈھونڈ رہے ہیں
 دالستہ ہم اس طرح کسی دل میں چھپے ہیں
 لب تک بھی ہمیں اہل نظر ڈھونڈ رہے ہیں
 کہتا کہ سمت در میں اتر کر ذرا دیکھیں
 جو نہ بیت پہ ساحل کی گہر ڈھونڈ رہے ہیں
 یہ نہ دیکھئے دامن مرا پھوٹنا سے بھر لے
 کیوں آپ چین میں گل تر ڈھونڈ رہے ہیں
 دینا ہی پڑے گا تجھے تابانیاں اپنی
 اے تاج تجھے شمس و قمر ڈھونڈ رہے ہیں





کھل گئے پھر سے آرزو کے گلاب
 کون ہے اب یہاں پہ خانہ خراب
 دامنِ نم ہمارا حاضر ہے
 اب نہ پوچھو ہمارے غم کا حساب
 کون اب چہرہ غم کا دیکھے گا
 ہم نے ڈالا ہے پھر ہنسی کا نقاب
 تم بھی اب اس کو پڑھ کے دیکھو نا
 ہم نے لکھ دی ہے زندگی کی کتاب
 کیا بتائیں سفر میں صحرا کے
 ہر قدم پہلے تھے کتنے سراب
 وقت سے اک سوال تھا اپنا
 آئینہ ہم کو دے رہا ہے جواب
 تاجِ تعبیر کچھ نہیں جن کی
 ہم نے دیکھے ہیں ایسے بھی کچھ خواب





ہم اس طرح آنسو بہانے لگے ، میں
ستاروں سے دامن سجھانے لگے ، میں

ہمیں اپنی محرومیوں کا بہت احساس
نئے درد ہم کو پُرانے لگے ، میں
چلے تھے جو ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے
چمن سے وہ پھر دور جانے لگے ، میں
جو طوفاں سمندر میں بل کھا رہے تھے
وہ اب میری کشتی میں آنے لگے ، میں

یہی ہم کو کہنا ہے ان آندھلیوں سے
نشین ہم اب بھی بنانے لگے ، میں

ہمیں تاج غم توار اپنا سمجھ کر
وہ اپنا فسانہ سنانے لگے ، میں





جھوٹی تسلیاں مجھے اے چارہ گرنہ دے
 ہے شام میکہ سر پہ فریبِ سحر نہ دے
 منزلِ حسیٰ مستجو ہی میں گزری تمام عمر
 میں ہوں شکستہ پا مجھے اذنِ سفر نہ دے
 دامن کو آج بھی ہے کسی چشمِ نم کی آس
 توہینِ آرزو نہ ہو، نعل و گہدہ نہ دے
 آجائیں نہ سمٹ کے فلک کی یہ رفعتیں
 یارب مجھے قفس میں کبھی بالِ ویر نہ دے
 ہے تجھ کو اختیار کہ وقفِ صلیب کر
 سوزِ الم نہ دے مجھے نہ خمِ جگر نہ دے
 ہے اشکِ غم سے تاج کا دامن جلا ہوا
 الزامِ قبضِ غمِ کباب اے چشمِ تر نہ دے





جنوں کی شمعیں جلاؤ تو کوئی بات بنے
اندھیرے گھر کے مٹاؤ تو کوئی بات بنے

وہ حادثہ جو ابھی دُور دُور رہتا ہے
اُسے قریب جلاؤ تو کوئی بات بنے

یہ مانا رہا میں پتھر میں اور کانٹے بھی
سنہل سنہل کے نرم آؤ تو کوئی بات بنے

پرائے لوگوں کی اب گفتگو سے کیا لیتا
تم اپنی بات سناؤ تو کوئی بات بنے

سرور بخش کہاں ہے تمہارا سارِ حیات
ہمارے سارہ پہ گاؤ تو کوئی بات بنے

تمہارے عہدِ وفا سے اے تاج کیا ہوگا
یقین ہم کو دلاؤ تو کوئی بات بنے





یہ ہم نے چاہا ہے اب تم کو آزمائیں گے
تمہارے شہر میں ہم بھی مسکن بنائیں گے

نہیں ہے ہم کو ضرورت کسی مسیحا کی
جو زختم تم نے دیئے ہیں وہ بھری جائیں گے

پہنچ ہی جائیں گے اک روز ہم بھی قتل ہیں
تمہارا نام نہ باں پھر کبھی نہ لائیں گے

تمہارے دل میں اُترنا آرزو بن کر
لہو کی طرح رنگوں میں بھی دھڑ جائیں گے

سوا تمہارے ہمیں کون یاد رکھے گا
سوا تمہارے سبھی لوگ بھول جائیں گے

قدم قدم یہ ملیں گے تمہیں نشاں اپنے
ہمارے نقشِ کفِ پا بھی جگمگائیں گے

یہ سچ ہے تاج کہ ہم خود بھی مسکراتے ہیں
کسی کے ہمہ دوا پر بھی مسکرائیں گے





کس نے چھپڑا یہاں پہ سارہ حیات
 رقص فرما ہے آرزو کی بے رات
 جب زمیں ولے ہو گئے خاموش
 آسماں کمرہ رہا ہے ہم سے بات
 کون کہتا ہے ہم اکیلے ہیں
 حادثے چل رہے ہیں اپنے سات
 اس سے رونا ہے دل کے زخموں کی
 ہم نے چاہی کہاں ہے غم سے نجات
 منزل دار کتنی روشن ہے
 آئیے، دیکھئے نا، میکہ سات
 ہم نے شبنم سجائی پلکوں پر
 بٹ رہی تھی چمن میں کچھ خیرات
 تاج اب قصہ مختصر یہ ہے
 زندگی بن گئی ہے تیری ذات





ناکردہ خطاؤں کی سزا ایسی ملی ہے
دل میں ہیں کئی زخم تو آنکھوں میں نمی ہے

ہم نے نہیں دیکھی کبھی سانسوں کی یہ رفتار
سوچا تھا کہ جینے کے لئے عمریٹہ ہی ہے

دل ڈھونڈتا رہتا ہے خدا جانے یہ کس کو
کیا جانے مری زلیست میں کس شے کی کمی ہے

یہ گونٹ گلشن سے دھواں اٹھنے لگا ہے
یہ آگ خدا جانے کہاں، کیسے لگی ہے

رُک رُک کے گزرتے ہیں تمنا کے سفینے
اک موجِ وفا ہے کہ کھڑی ہے سو کھڑی ہے

اے تاج نہ ڈرنا کبھی انجہامِ سفر سے
رستہ بھی نیا ہے ترا، منزل بھی نئی ہے





ہر سمت بہاروں ہی کے پھر چے ہیں ابھی تک
 پھولوں پہ مرے اشکوں کے قطرے ہیں ابھی تک
 دشوار سی لگتی ہے تمہیں راہ چمن کی
 ہم لوگ تو انگاروں پہ چلتے ہیں ابھی تک
 مل کر تو بہاروں سے زمانہ ہوا لیکن
 دامن میں کئی پھول چمکتے ہیں ابھی تک
 آٹھ ہے نہ دستک ہے نہ آواز ہے کوئی
 کیوں خواب مری پلکوں پہ ٹھہرے ہیں ابھی تک
 سن کر جنہیں یہ زندگی پھر قص میں آئے
 گھنگرو کی طرح لفظ وہ بچتے ہیں ابھی تک
 کیا جانئے کیا کہہ کے مجھی شمعِ فروزاں
 پروانے سہ بنم تڑپتے ہیں ابھی تک
 ہو تاجِ مبارک تجھے یہ شوقِ تبسم
 ہم ہیں کہ ترے غم میں سگتے ہیں ابھی تک





لہِ سفر میں ابھی انتشارِ اتنا ہے
 دکھائی کچھ نہیں دیتا، غبارِ اتنا ہے
 اب ایک پھول بھی ہم اس میں رکھ نہیں سکتے
 تمہارا دامنِ دل تار تار اتنا ہے
 تمہارے ترکِ تعلق کو بھی وفا سمجھے
 ابھی تلک تو ہمیں اعتبار اتنا ہے
 تمام اہلِ ستم کو بھی ہموگی ناکامی
 ہمارا رشتہٴ دل پائیدار اتنا ہے
 کسی نے وعدہ کیا ہے کہ پھر وہ آئے گا
 پلک جھپکتی نہیں، انتظار اتنا ہے
 ہزارِ کوششیں کیں سہ اٹھا نہیں سکتے
 غمِ حیات کا اب ہم پہ بار اتنا ہے
 کوئی نہ چھین سکے گا ہماری آزادی
 تمہارا تاج ابھی اختیار اتنا ہے





جلتی سی مری آنکھوں میں اشکوں کی نمی تھی
 جب آگ مری ذات کے اندر ہی لگی تھی
 ہم دن کے اُجالیوں سے بھی لڑتے رہے اکثر
 یہ شامِ تمنا تو بہت دُور کھڑی تھی
 کس طرح سے اِس بات کو ہم بھول سکیں گے
 ہم کو بھی کسی دل میں جگہ تصور ہی ملی تھی
 ہاتھوں میں گلابوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا
 کیا شے تھی خدا جانے جو پہلو میں چمکتی تھی
 دیکھا تھا ترا چہرہ کبھی خواب میں ہم نے
 آواز تری ہم نے تصور میں سنی تھی
 ہم ایک ہی رستے سے گزرتے رہے اکثر
 کچھ دور ترے گھر سے ہماری بھی گلی تھی
 اب تک بھی مہکتا ہے مرا دامنِ دل تاج
 اک دستِ عطا سے مجھے خوشبو ہی ملی تھی





وہ زخمِ لمبے ہیں کہ جھلائے نہیں جاتے
کچھ داغِ تمنا میں دکھائے نہیں جاتے

اب تیرے بچھڑ جانے کا افسوس نہیں ہے
غم ہے کہ تری یاد کے سائے نہیں جاتے

دانتہ یہاں پھینک دیا، آئینہ تم نے
ہاتھوں سے تو پتھر بھی گرائے نہیں جاتے

محسوس ہو کر تا ہے تو کمر لیجے دور
افسانے غمِ دل کے سنائے نہیں جاتے

تم کو نہیں معلوم کہ خوابوں کے نشیمن
یوں صحنِ گلستاں میں جلائے نہیں جاتے

خود آپ سلگ اٹھے گا اے تاجِ یہ دامن
آنسو کبھی دامن میں چھپائے نہیں جاتے





ملاو اے زخم جگر کر رہے ہیں
 یونہی زندگی ہم بسر کر رہے ہیں
 نہیں کوئی سورج ادھر آنے والا
 چراغ اب جیلا کر سمجھ کر رہے ہیں
 خود اپنی ہی سانسوں سے ترکِ تعلق
 نہیں چاہتے ہیں، مگر کر رہے ہیں
 سفینہ تلاطم کے ہاتھوں میں دینگے
 ابھی ساحلوں پر نطفہ کر رہے ہیں
 سُلگنے لگا ہے زمانے کا دامن
 اب آنسو ہمارے اثر کر رہے ہیں
 کہاں اب وہ پھولوں کے موسم ملیں گے
 ہم اپنے ہی دامن کو ترک کر رہے ہیں
 زمیں تنگ ہونے لگی تاجِ ہمسہ پر
 ہم اب آسمانوں میں گھر کر رہے ہیں





ہر شخص زندگی کا طلبگار ہو گیا
 عالم تمام صورتِ بازار ہو گیا
 وہ لمحہ طرب جو تبسم نواز تھا
 پل بھر میں آنسوؤں کا خدیوار ہو گیا
 سارا زمانہ ہم سے بہت بدگمان ہے
 جب سے ہمارا کوئی طرفدار ہو گیا
 کچھ لوگ اس طرح سے مرے ساتھ چل پڑے
 آسان تھا جو راستہ دشوار ہو گیا
 یہ بات آپ کے بھی سمجھ میں نہ آئے گی
 کیوں موسم بہار شہر بار ہو گیا
 پھیلے ہوئے تھے دامِ چین میں جگہ جگہ
 گیس کو بتائیں کون گرفتار ہو گیا
 مسرور ہم بھی تاجِ ہین پتھر تراش کر
 لو چہرہ حیات نمودار ہو گیا





لمحے حیاتِ نو کے بہت غم نواز ہیں
 وہ کیا کریں گے غم سے بھی جو بے نیاز ہیں
 خنجر بہ کف جو ملتے ہیں ہر ایک موڑ پر
 کچھ لوگ کہہ رہے ہیں یہی چارہ ساز ہیں
 گزری ہے عمر اپنی چٹانوں کے درمیان
 یہ اور بات ہے کہ ہم آئینہ ساز ہیں
 یہ دیکھنا ہے کتنی ہے کس طرح زندگی
 مانا غمِ حیات کے گیسو دراز ہیں
 چلنا جہاں تلک ہو سنبھل کر چلا کرو
 اس رہگذر میں یوں بھی نشیب و فراز ہیں
 ہجرت بھی تاجِ اپنے لئے مسئلہ نہیں
 تاریخ کہہ رہی ہے ہم ”اہل حجاز“ ہیں





حدیثِ درد ابھی تا تمام رہنے دو
 مسرتوں کا یوں، ہی اہتمام رہنے دو
 تمام شہر میں کر دی ہے روشنی تم نے
 ہمارے گھر میں بھی یہ انتظام رہنے دو
 کبھی سکوں تو ملے ان تڑپتی موبیوں کو
 کبھی ہواؤں کو بھی خوش خرام رہنے دو
 تلاش جن کی تھی برسوں سے وہ بھی آئے ہیں
 کبھی نہ بزم میں اب خالی جام رہنے دو
 ضمانت اب بھی ہے جو اپنی سر بلندی کی
 اس اک صلیب پہ اپنا بھی نام رہنے دو
 نسیم صبح، ہیں آ کے خود جگا دے گی
 چمن سے دور ہمارا مقام رہنے دو
 نہ آئے تاج کبھی حرف، وضع داری پر
 تمام عمر یہی احترام رہنے دو





مجھ کو اس نظمِ گلستاں پہ ہنسی آتی ہے
جانے کیوں جشنِ بہارِ اں پہ ہنسی آتی ہے

لہرز آتے ہیں مری آنکھ میں آنسو لیکن
آپ کے تنگیِ داماں پہ ہنسی آتی ہے

پہلے ہوتا تھا مجھے دردِ سنا احساسِ بہت
اب فقط عمرِ گریزاں پہ ہنسی آتی ہے

جائزہ دامنِ عصیاں کا لیا کب ہم نے
اس لئے دیدہ گریاں پہ ہنسی آتی ہے

جب ترے گھر کی طرف جاتے ہیں سب اہلِ خوں
مجھ کو رہ رہ کے گریباں پہ ہنسی آتی ہے

جانے کب میں نے بہاروں کی تمنا کی تھی
آج تک اس دلِ دیراں پہ ہنسی آتی ہے

تاجِ سمجھانہ کوئی میکہ تبسم کا مزاج
اس لئے بھی غمِ دوراں پہ ہنسی آتی ہے





کسی بھی غیر کو تم اتنا مرتبہ تو نہ دو
 مرے خلوصِ مسلسل کو یوں سزا تو نہ دو
 بنے نہ راکھ مرے اعتبار کی دنیا
 دیا جلایا ہے تمہنے تو پھر ہوا تو نہ دو
 یہ ملنا روکنا اس کو بہت ہی مشکل ہے
 اس حادثہ کو کبھی اپنا راستہ تو نہ دو
 تمہارا چہرہ نظر آگیا بہت سے یہی
 ہمارے ہاتھوں میں اب کوئی آئینہ تو نہ دو
 ہیں کتنے آپ کے احسان جانتے ہیں سبھی
 ہمارے حق میں کبھی تہمت جفا تو نہ دو
 حیاتِ بڑھتی ہے طوفان کی زد میں رہنے سے
 اے تاجِ پھر مجھے ساحل سے تم صدا تو نہ دو





چرچے کہاں ہمارے کسی بات سے ہوئے
 مشہور ہم ہوئے، میں تو حالات سے ہوئے
 جب خاموشی ہی درمیاں دیوار بن گئی
 صدیوں کے فاصلے ان ہی لمحات سے ہوئے
 گر آپ مطمئن تھے خود اپنے سلوک سے
 پھر کیوں پریشاں آپ سوالات سے ہوئے
 مانا یہ ہم نے اپنا کوئی چارہ سنا ہے
 پھر دل پہ زخم کس کی عنایات سے ہوئے
 ہم دائرہ ہیں شوق کا، تو مرکزِ مجنوں!
 وابستہ اب تو ہم بھی تری ذات سے ہوئے
 نم دیدہ تاجِ انِ دلوں تنہا نہیں ہو تم
 ہم بھی تو نیم جاں کئی صد مات سے ہوئے





پھرتے ہیں اب شعبہ بہ داماں
 ہم نے کیا تھا جشنِ چہراغاں
 تارِ نفس میں بکھرے بکھرے
 چاک ہے دامن، چاک گریباں
 اب تو مسیحا کوئی نہیں ہے
 سوزِ حشر سے سب میں پریشاں
 وہ بھی ہم کو یاد کریں گے
 اُسے گی جب بھلا فصلِ بہاراں
 کانٹوں سے کیا شکوہ کریں ہم
 اپنا ہی دامن، اپنا گلستاں
 تاجِ یہی ہے زیست کا حاصل
 شوقِ بے ستم، دیدہ گریباں





کبھی روشن یہ رہ گزر نہ ہوئی
کون آیا، گپ، خبہ نہ ہوئی

دل کو غم سے بچانا چاہا تھا
کوئی تدبیر سار سگر نہ ہوئی

میں نے گھڑیاں گزاریں گین گین کے
زندگی پھر بھی مختصر نہ ہوئی

میں نے چاہا غبار ہو جاؤں
یہ ہوا میری ہمسفر نہ ہوئی

اپنی قسمت میں روشنی ہی نہ تھی
رات جب آئی تو سحر نہ ہوئی

سب تسلی ہی مجھ کو دیتے رہے
دل کے زخموں پہ اک نظر نہ ہوئی

تاج کیا زندگی کا لطف آئے
جب ترے ساتھ ہی بسر نہ ہوئی





سرِ محفل یہ کس کی یاد آئی
 گنگنائی ہے میری تنہائی
 سب کو ہے اپنی مینزلوں کی تلاش
 یاد کس کو ہے آبلہ پائی
 زندگی اس لئے ادا اس ہوں میں
 تیری صورت نظر نہیں آئی
 زندگی، آ کہ تجھ کو دیکھ تو لوں
 کب تلک ساتھ دے گی بینائی
 دوستوں کے فریب کے آگے
 کام آئی نہ اپنی دانائی !
 میرے ہاتھوں میں ہے غزل کی کتاب
 کس کو معلوم نیت کب آئی
 زور، طوفان کا یاد آیا تاج
 جب بھی ساحل پہ کشتی لہرائی





عجب چیز ہے شوق کی ابتدا بھی
یہی درد ہے اور یہی ہے دوا بھی
اُسی طرح باقی ہے دنیا کی محفل
کہیں دل خُلا ہے کہیں دل بچھا بھی
اُنہیں ہم نے دیکھا ہے حسرت سے اکثر
جو دیتے ہیں ہم کو صدمہ بھی، سزا بھی
ابھی تک نہ بدلا یہ دورِ ستمگر!
ہیں اب تک بھی مصروف دستِ دعا بھی
یہ کیسا سفر ہے خدا جانتا ہے
نہیں ملتا مجھ کو تیرا نقشِ پا بھی
کوئی بھی بھروسے کے قابل نہیں تاج
ہوا خوابِ مَن کا وہ عہدِ وفا بھی





بھرنے لگے ہیں اب مرے زخم جگر تو کیا
 ہوتا رہا یہاں اگر غم بھر تو کیا
 کچھ بھی ہو دل کو درد کی دولت تو مل گئی
 ہوتا نہیں کسی پہ جو غم کا اثر تو کیا
 اپنا سفر ہے جیسے بھی ہو چل پڑیں گے ہم
 دیتا نہیں ہے راستہ گر راہ پر تو کیا
 بیمار غم وہ پائے گا ہم جیسا اب کہاں
 کرتا ہے اب بھی سازشیں گر چارہ گر تو کیا
 خود آپ نے چراغِ تمنا بجھائے ہیں
 اب نے کے آئیں ہاتھ میں شمع سحر تو کیا
 ہم جلنتے ہیں تاج کہ سب پر عیاں ہیں ہم
 نہ ہوتا ہے کوئی ہم سے اگر بے خبر تو کیا





عجب دور ہے یہ عجیب زندگی ہے
 ہماری ہی قسمت میں تشنہ لبتی ہے
 سبھی کچھ ہے دنیا میں بھینے کو لیکن
 مجھے لگ رہا ہے ابھی کچھ سبلی ہے
 نہ جانے اُجالوں کے اسباب کیا ہیں
 نہیں کوئی شعلہ ، مگر یہ نشتی ہے
 رہی رات بھر جو ہواؤں کی زد میں
 وہ اک شمع پھر بھی سحر تک جلی ہے
 نہ جانے ہو کیا ، کارواں کا مقدر
 مسلسل سفر میں بھی دھوکہ دہا ہے
 اُجالوں سے کیوں تم کو حیرت ہوئی ہے
 نشیمن پہ میسے بھی جھیلی گری ہے
 اگر ہو سکے تاجِ مل لو کسی دن
 مری زندگی بھی گھڑی دو گھڑی ہے





بے ارادہ نکل گئے آنسو
 اُن کے دامن پہ ڈھل گئے آنسو
 بھیگی پلکوں کا راز ہے اتنا
 اک تبسم سے جل گئے آنسو
 کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی
 مہری دنیا بدل گئے آنسو
 غم دوراں مرے مقابل تھا
 گرتے گرتے سنبھل گئے آنسو
 بسکیاں ضم ہوئیں تر تم میں
 سیکہ شعروں میں ڈھل گئے آنسو
 تاج کیوں ایسا ہو گیا ہوگا
 تم کو دیکھا نکل گئے آنسو





برق کو پہلے زیرِ دام کرو
 پھر بہاروں کا ذکر عام کرو
 عمر تو ساری گلستاں میں کٹی
 کبھی صحرا میں بھی قیام کرو
 شب گزرنا بہت ہی مشکل ہے
 پھر سے خوابوں کا اہتمام کرو
 ہم پریشاں ہیں اپنی اندھیروں سے
 کچھ چراغوں کا انتظام کرو
 اس طرح راستہ نہ طے ہوگا
 رہنماؤں کو تیرہ گام کرو
 تاج کوئی غزل سناؤ نا
 سننے والوں کا احترام کرو





حیراں میں سب اہلِ کرم، اہلِ ستم بھی
 دیوانے ہوئے جاتے ہیں کیوں آپ بھی ہم بھی
 کیا کیا نہ توقع تھی مجھے شتمِ کرم سے
 ہے آپ کی ہی دین، مرا دامنِ تم بھی
 آدابِ پرستش کا صلہ کس کو ملے گا
 بت اپنا بنانے لگے جب اہلِ حرم بھی
 رہبر کا ضرورت نہیں یہ ایسا سفر ہے
 منزلِ کا پتہ دیتے ہیں کچھ نقشِ قدم بھی
 جو کچھ بھی ملے آپ سے ہر حال میں خوش ہیں
 منظورِ خوشی ہی نہیں، منظورِ غم بھی
 ہم اپنی ہنسی بانٹتے پھرتے تو ہیں اے تاج
 رکھتے ہیں نہاں دل میں مگر رنجِ والہم بھی





چھپا کے لائے ہیں کیا راز لوگ سینوں میں
 بیاسہ ایک تلاطم سا اب سفینوں میں
 خزانے کس طرح لوگوں کو مل گئے ہونگے
 بلانہ کچھ بھی ہیں وقت کے دھینوں میں
 یہ کس مقام پہ آکے ٹھہر گئیں نظریں
 ہے کس کا عکس خدا جانے ان نگینوں میں
 وہ اعتبار کے قابل نہیں رہا جس نے
 تمام عمر گزار دی ہے نکتہ چینوں میں
 حصول ذات میں جو لوگ سجدہ ریز رہے
 پتراغ آج بھی روشن ہیں ان کے سینوں میں
 نہ ہو گا تاج ہمارا وجود جب باقی
 ہمارا نام لیا کرنا ہم نشینوں میں





کسی کی ہسم پہ عنایت ہے کیا کیا جائے
 زمانے بھر کو شکایت ہے کیا کیا جائے
 کہاں وہ تذکرۂ حسن و عشق کرتا ہے
 جنوں شوق پہ تہمت ہے کیا کیا جائے
 فریب کھاتے ہی رہتے ہیں ہم بھی دانستہ
 یہ اعلیٰ رعبت ہے کیا کیا جائے
 جو احترام نہیں کرتے دل کے جذلوں کا
 انہیں سے ہم کو عقیدت ہے کیا کیا جائے
 انہیں بہار کی خواہش ہمیں خزاں ہے عزیز
 یہ اپنی اپنی طبیعت ہے کیا کیا جائے
 نہیں ہے تاج کوئی اپنا ہم خیال یہاں
 خوشیوں سے رفاقت ہے کیا کیا جائے





دل کی حالت تیراب ہوتی ہے
 غمگساری عذاب ہوتی ہے
 بڑھتے بڑھتے ہماری خاموشی
 آپ ہی کا جواب ہوتی ہے
 ہم سے پوچھو نہ زخیم کی حالت
 صورتِ ماہیتاب ہوتی ہے
 کوئی لکھتا ہے، کوئی پڑھتا ہے
 زندگی بھی کتاب ہوتی ہے
 جب اندھیرے بہت زیادہ ہوں
 اک کرن آفتاب ہوتی ہے
 تاج آنکھوں کو بند کر لینا
 نہ زندگانی بھی خواب ہوتی ہے





موسمِ گلِ یہ اشکیاری ہے
جانے یہ کسی غمگساری ہے

تم نے جب سے مزاج پوچھا ہے
ایک اک لمحہ ہم یہ بھاری ہے

ہم ہی ترکِ وفا یہ مائل ہیں
ہم پہ عہدِ وفا بھی طاری ہے

ہم نے بھی خوں دیا تھا گلشن کو
فصلِ گلِ آج بھی ہماری ہے

آئینہ ہے ہمارے ہاتھوں میں
اس میں صورت مگر تمھاری ہے

ساتھ اب ہوتے ہو تمھارا تاج
زندگی کا سفر تو جاری ہے





نزدگی کی یہ شام ہے شائد
یعنی سب کچھ تمام ہے شائد

دل پہ دستک سُتائی دیتی ہے
خواہشِ ناتمام ہے شائد

کٹارِ روشن ہے نیمہ یلکوں کا
آنسوؤں کا قیام ہے شائد

پہرہ میں، آسمانِ رقصاں میں
پھر کوئی ہمکلام ہے شائد

نیک کاسہ بہ دست پھرتے ہیں
نقشبے اب بھی غام ہے شائد

چاہ کر بھی نہ کوئی بھول سکے
تاج وہ مسیحا نام ہے شائد





اِس دور انتشار کا کچھ بھی سبب نہیں
 کیا کہ رہے ہو کوئی بھی اب تشنہ لب نہیں
 دروازے بند ہو گئے آنکھوں کے ساتھ ساتھ
 وہ انتظارِ شوق کا منظر بھی اب نہیں
 اُن کا سلوک بھی تو بہت کچھ بدل گیا
 پہلے کی طرح اپنے بھی اب روز و شب نہیں
 ترکِ کرم کا فیصلہ خود آپ ہی کا ہے
 بھینسا ہوا ہمارا بھی دستِ طلب نہیں
 اُس بے وفا کا اب بھی ہمیں انتظار ہے
 یہ جانتے ہیں آنے کی امید اب نہیں
 اے تاجِ اب نہ چھڑ تو سارِ حیات کو
 یہ گوشے سکون ہے، بزمِ طرب نہیں





زندگی ! حوصلہ تو کرتے ہیں
 ہم ترسا سنا تو کرتے ہیں
 کیا کریں ، روشنی نہیں ہوتی
 رات دن ہم جلا تو کرتے ہیں
 یہ الگ بات بھر نہیں پاتے
 زخمِ دل کی دوا تو کرتے ہیں
 کشتیاں پھر بھی ڈوب جاتی ہیں
 کوششیں ناعدا تو کرتے ہیں
 کوئی رہبہ نہیں تو کیا غم ہے
 رہبری ، نقشِ پا تو کرتے ہیں
 زیست کی انتہا نہیں معلوم
 زیست کی ابتدا تو کرتے ہیں
 کیا یہ کم ہے کہ تاجِ صحرا میں
 ذکرِ بادِ صبا تو کرتے ہیں





اب پیش نظر میرے نہ منزل نہ سفر ہے
بدلے ہوئے حالات پہ جس دن سے نظر ہے

تہذیب جن بندی سے واقف نہیں کوئی
شبنم بھی کیشیمان ہے کیسا گل تر ہے

کیا جانوں کہ کب آگیا سہ پہرے سورج
آنکھوں میں ابھی تک مرے خوابوں کا اثر ہے

جو لوگ مجھے درسِ وفا دیتے رہے ہیں
اُن لوگوں کے سینے میں نہ دل ہے نہ جگر ہے

تم شہر کے وارث ہو تو بس اتنا بتا دو
یہ شہر تمہارا ہے تو گھر میرا کدھر ہے

حالانکہ چراغوں میں اُجالا ہی نہیں ہے
کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ آغازِ سحر ہے

کس طرح زمانے کو یہ سمجھائیں گے تلج
یہ جشنِ بہاراں نہیں، یہ نہ قصِ شہر ہے





پھر تشنگی کے راز سے پردہ اٹھا دیا
 ساغر ہمارے ہاتھ سے کس نے گرا دیا
 کچھ پھول بے وفا تھے تو دیتے انہیں سزا
 یہ کیا کیا کہ آپ نے گلشن جلا دیا
 سوچا نہیں کہ پھر بھی اُبھرتے رہیں گے ہم
 کیوں تم نے نام لکھ کے ہمارا مٹا دیا
 مجھ کو یقین ہے کہ اندھ ٹیڑوں میں ہو گا وہ
 میرا چراغِ آرزو جس نے بجھا دیا

بہتر یہی ہے آپ بھی لیں اپنا جائزہ
 ہم نے بنامِ زندگی سب کچھ بھلا دیا
 ہر ایک کی نظر میں نمایاں ہوئے ہیں تاج
 ہم کو شعورِ ذات نے کیا کیا بنا دیا





تکمیل تمنا کا اثر دیکھ رہے ہیں
 ہر حال میں ہم دیدہ تر دیکھ رہے ہیں
 سُننے تھے کبھی آگ، ہواؤں کی کہانی
 اب سامنے جلتا ہوا گھر دیکھ رہے ہیں
 مانا کہ نکل آئے گا پھر صبح کو سورج
 ہم لوگ ابھی خیم و قمر دیکھ رہے ہیں
 اے بادِ صبا! پھول کہیں کیوں نہیں کھلتے
 بدلی ہوئی ہم تیری نظر دیکھ رہے ہیں
 پلکوں پہ نظر آتی ہیں شمعیں کئی روشن
 ظلمت میں اُجالوں کا سفر دیکھ رہے ہیں
 آنا ہے تو آ تاج کہ یہ زندگی کم ہے
 ہم راہ تیری شام و سحر دیکھ رہے ہیں





ذکر رنج و الم نہیں کرتے
تذکرہ اُن کا ہم نہیں کرتے

چوٹ کھا کر بھی مڑکراتے ہیں
اپنی آنکھوں کو ہم نہیں کرتے

ہیں جبیں پر نشانِ تجلی کے
اس لئے سر کو حسم نہیں کرتے

خیر مقدم ہی کرتے آئے ہیں
ہم تو توہینِ غم نہیں کرتے

کون سمجھائے خوشِ چینوں کو
فصلِ گل میں بستم نہیں کرتے

ہو مبارک ، شعورِ ترکِ وفا
آپ کرتے ہیں ، ہم نہیں کرتے

تاجِ اب توڑ دو یہ زنجیریں
اہلِ مقتلِ کرم نہیں کرتے





خیالوں میں اپنے نہ اب رنگ و بو ہے
مگر موسم گل نشی بھی جستجو ہے

اے فصل بہاراں ادھر بھی چلی آ
ابھی تک بھی مجھ کو تری آرزو ہے

کبھی اُن کا طرزِ تکلم نہ بدلا
وہ اُن کا لہجہ ، وہی گفتگو ہے

مری دسترس میں نہیں زندگی
مگر میرے خوابوں کی دنیا میں تو ہے

ہمارے ہی گھر سے مسیحائی نکلی
ہمارے ہی گھر میں لہو ہی لہو ہے

تجھے تاج میں نے تو دیکھا نہیں ہے
یہ محسوس ہوتا ہے تو روبرو ہے





اُس وقت اپنا جینا بھی کتنا عذاب تھا
 ہر شخص اپنے شہر میں عزت مآب تھا
 چہرہ ہمارا دیکھ کے تم مطمئن رہے
 حالانکہ اپنے دل میں بہت اضطراب تھا
 ناکامی حیات سے گھبرا رہے تھے لوگ
 جو مسکرا رہا تھا ، وہی کامیاب تھا
 دامن میں لے کے آئے تھے ہم روشنی کے پھول
 لیکن تمہارے شہر کا موسم خراب تھا
 وہ بھی ڈھلک کے آپ کے دامن میں گر گیا
 جس اشکِ غم میں درد کا سارا حساب تھا
 کمر کے سوال ہو گئے خاموش تاج تم
 یہ خاموشی تمہاری ، ہمارا جواب تھا



ہماری فکر و نظر میں تو انقلاب نہ تھا
 ہمارے دل میں کبھی اتنا اضطراب نہ تھا
 نظر جھکا کے وہ اکثر یہاں سے گزرے ہیں
 ہمارے پیسے یہ جس وقت بھی نقاب نہ تھا
 تلاش کرتا رہا عمر بھر وہ گردِ سفر
 کسی بھی موڑ پر وہ شخص کامیاب نہ تھا
 یہ اور بات کہ تعبیر مل گئی در نہ
 حقیقتوں کے مقابل تو کوئی خواب نہ تھا
 تمہیں بتاؤ کہ کیوں انتشار اتنا ہے
 تمہارے شہر کا موسم اگر خراب نہ تھا
 زمانہ جس کو ہمیشہ ہی چاندنی سمجھا
 تمہارا نام تھا وہ تاج، ماہتاب نہ تھا





کیوں شوقِ انقلاب میں دانا ئیاں نہیں
 احساس کی یہاں کوئی پرچھاٹیاں نہیں
 ذوقِ سفرِ جنوں کی حد میں ہی رہ گیا
 محسوس یہ ہوا کہ ہیں دشوارِ یاں نہیں
 تارِ یکیاں تو اور بھی حد سے سوا ہوئیں
 اب مہرہ و ماہ میں بھی وہ تابانیاں نہیں
 حالانکہ اپنی ذات میں سمٹے ہوئے ہیں ہم
 دنیا سمجھ رہی ہے کہ تنہائیاں نہیں
 ہے موسمِ بہار بھی، صحنِ چمن بھی ہے
 کتنی عجیب بات ہے شادابیاں نہیں
 ہم جانتے ہیں زندگی ہے تاجِ تیرا نام
 کیا تیرے ساتھ درد کی رسوائیاں نہیں





پھر گردِ شسِ دوراں نے کیا ہے یہ اشارا
 گزرے ہوئے لمحات نہ آئیں گے دوبارا
 جو عزم ہمیں دینا ہے کسی اور کو دیجئے
 ہم کو تو نہیں کوئی بھی اعزازِ نوازا
 کچھ لوگ تمہیں بھی کہیں پہچان نہ جائیں
 بھولے سے نہ لینا کبھی تم نام ہمارا
 حالات نے ہم کو تو یہی درس دیا ہے
 موجیں ہی سفیت ہیں تو موجیں ہی کنارہ
 جینے کا سلیقہ نہ تھا یہ بات الگ ہے
 ہر لمحہ صلیبوں پہ مگر ہم نے گزارا
 آئی ہیں بہاریں بھی یہاں حادثہ بن کر
 مقتل کی طرح لگتا ہے گلشن کا نظارہ
 یوں بھی تو کبھی گردِ شسِ دوراں نہیں رکتی
 اے تاجِ خدا جانے تمہیں کس نے پکارا





سوئی تھی تیری پہنڈہ کس کو بولتے
 ہم درمیاں تھے بلے کے مگر کس کو بولتے
 تو تو ان صبح نو کے لئے کیا نہیں کیا
 روٹھی ہوئی تھی پھر بھی سحر کس کو بولتے
 تنہائیوں کا غم لئے بزم نشاۃ میں
 کوئی نہیں تھا حالِ جگر اس کو بولتے
 لگتی شبیوں کے زخم سہے جانتے ہیں ہم
 تم ہی نہیں تھے غمِ دقہر کس کو بولتے
 تھے سارے لوگ پاسِ گریباں کی فکر میں
 بھیگی ہوئی تھی اپنی نظر کس کو بولتے
 تم نے تو تاجِ اپنا فسانہ سنا دیا
 ہم اپنے دل کا حال مگر کس کو بولتے





خوشیوں نے فسانے سُنا دیئے کتنے
ہمارے اشکوں نے طوفاں اٹھا دیئے کتنے

جو اُن پہ گزری یہ خانہ بدوش کہہ دیں گے
امیرِ شہر نے خیمہ جلا دیئے کتنے

سوال یہ کسی معمارِ شہر سے پوچھو
بنائے کتنے مراں اور گرا دیئے کتنے

عکسوں کو دیکھ کے ہو گا تمہیں بھی اندازہ
نسیمِ صبح نے آنسو بہا دیئے کتنے

یہ بات پسِ پردہ کہ سجدوں کی بڑھ گئی عظمت
جبیں نے نقشِ کفِ پامٹا دیئے کتنے

تمہارے شوقِ گلستاں نے اب کے موسم میں
ہماری راہ میں کانٹے بچھا دیئے کتنے

بہت دلوں سے تھا ویران میرا دل اے تاج
ترے خیال نے گلشنِ سجا دیئے کتنے





پھر سمندر فریب دیتے ہیں
 یہ سراسر فریب دیتے ہیں
 سایا بن کر بھی ساتھ چلتے ہیں
 کتنے پسکر فریب دیتے ہیں
 اوڑھ کر مینہ پہ آئینے کا نقاب
 ہم کو پتھر فریب دیتے ہیں
 اس عنایت کا کیا بھروسہ ہے
 کیوں ستگر فریب دیتے ہیں
 دل کی آہوں کو لغم کہتے ہیں
 یوں سخنور فریب دیتے ہیں
 تاج دل کو یقین کیسے ہمو
 سارے منظر فریب دیتے ہیں





نظرِ نظر میں جہاں اُن سے بات ہوتی ہے
 وہی گھڑی تو مکمل حیات ہوتی ہے
 ہمیں بھی ہوتا ہے احساسِ آرزو و اکتشہ
 ہمارے دل میں بھی اک سائینات ہوتی ہے
 یہاں ٹھہر کے ہو اندازہ کیسے منزل کا
 کہ آگہی تو سفر میں ہی سات ہوتی ہے
 نہ جانے کیسی یہ تنہائیوں کی دنیا ہے
 یہاں یہ صبح نہیں ہوتی، رات ہوتی ہے
 ہمارے لب پہ تبسم بھی اب غنیمت ہے
 غموں سے، درد سے کس کو نجات ہوتی ہے
 ہمارے غرم سے اے تاج کچھ نہیں ہوتا
 بس ایک گردِ دُش دریاں کو مات ہوتی ہے





ما تم بال و پر سے کیا ہوگا
نالہ کیے اثر سے کیا ہوگا

سلسلہ دور تک ہے ظلمت کا
اک چراغِ سحر سے کیا ہوگا

اب زمیں پر سنبھل کے چلنا ہے
آسمانوں کے در سے کیا ہوگا

کوئی اک سائباں تلاش کریں
اس مسلسل سفر سے کیا ہوگا

ہر قدم راستہ بدلنا ہے
ایک ہی رہ گزر سے کیا ہوگا

کر دیا ہم نے خونِ دل اپنا
اب کسی چارہ گرتے کیا ہوگا

تاج پہچانو زینت کو اپنی
اعتبارِ نظر سے کیا ہوگا





دل مرا لالہ زار کتنا ہے
 زخمِ دل، پُربہار کتنا ہے
 کیا بتاؤں میں تجھ کو چارہ گر
 سانس لینا بھی بار کتنا ہے
 اپنی صورت نظر نہیں آتی
 آئینے پر غبار کتنا ہے
 ہم تو جیتے ہیں تیری مرضی سے
 کیا کہیں، اختیار کتنا ہے
 جس کو آتا ہے آہی جائے سکا
 دل مگر بے قرار کتنا ہے
 نیند تو مجھ پہ ایک تہمت ہے
 دیکھئے نا! خمِ خار کتنا ہے
 تاج اب بھی تمہارے شعروں میں
 غمِ دل آشکار کتنا ہے





میری صد ایوں گونج رہی ہے
 دُنیا حیراں ہو کے کھڑی ہے
 مہیکر آنسو، اُن کا دامن
 کیا بتلاؤں کیسی گھڑی ہے
 کہتا ہے یہ چارہ گم سے
 دردِ دل میں تھوڑی سی کمی ہے
 آؤ ہم تم مل کر ہنس لیں
 رونے کو تو عسیر پڑی ہے
 دیکھ کے میرے ذوقِ سفر کو
 گردِ شِںِ دوراں ساتھ چلی ہے
 شمعِ تمنا پھونک دوں کیسے
 مشکل سے یہ آج جلی ہے
 تاج کرو آغزانہ سفرِ آب
 رستہ نیا، منزل بھی نئی ہے





ناصدا چھوڑ گیا تھا بڑی داتائی سے
 ہم ابھر آئے ہیں ساحل پہ بھی گہرائی سے
 مجھ کو معلوم نہیں چاک ہیں دامن کتنے
 شاخِ گل! صحنِ چمن میں تری انگڑائی سے
 جن کو ہے ذوقِ سفر ان سے یہ کہنا ہوگا
 زخمِ ناسور بھی ہوتے ہیں شکیبائی سے
 اس توقع پہ تری یزم میں مل جائے سکوں
 ہم تو گھبرا کے چلے آئے تھے تنہائی سے
 انتظار ہم کو ہے جن لوگوں کا آتے ہی نہیں
 ہم کو کیا لینا ہے اب انجن آرائی سے
 مقتل و دار کا دستور تو بدلا لیکن
 لوگ گھبراتے ہیں اس دورِ مسیحائی سے
 تاجِ یہ بات تمہیں لوگ بتائیں گے کبھی
 کتنے گھر ہو گئے روشن مری بنیائی سے





آپ کو غمگسار کرنا ہے
 پھر ذرا اشکبار کرنا ہے
 ہے یقین مجھ کو آپ آئیں گے
 اس لئے انتظار کرنا ہے
 آپ مجھ پر یقین کریں نہ کریں
 مجھ کو تو اعتبار کرنا ہے
 رات گزرے کہ صبح آئے مگر
 وقت پر انحصار کرنا ہے
 فصل گل سناہ گار ہو کہ نہ ہو
 اہتمام بہار کرنا ہے
 کوئی تو میرے گھر بھی آئے گا
 راستہ نہ نہ لگا کرنا ہے
 تاج محراب سے ہم گزرا آئے
 پھر بھی دریا کو پار کرنا ہے





گلشن میں بہاروں کے یہ آثار ملے ہیں
کچھ پھولوں کے چہرے ہمیں بیمار ملے ہیں

لگتا ہے تہے شہر میں ہنگامہ ہوا ہے
کچھ لوگ ہمیں شب کو بھی بیدار ملے ہیں

ہم اہلِ فرد سے بھی یہاں ریل نہیں پائے
دیوانے ہمیں یوں تو سہرا ملے ہیں

یہ ذوقِ سفر تو نہیں یہ ترکِ سفر ہے
سب قافلے ہم کو پسِ دیوار ملے ہیں

مجبور تھے عادت سے سزا دے نہیں پائے
ہم کو بھی بہت لوگ خطا کار ملے ہیں

منصوبہ بنایا ہے نئے شہر کا ہم نے
جب سارے مکاں شہر کے مسماں ملے ہیں

نیرنگی دنیا کا تماشا ہے یہ اسے تاج
کشکول لئے ہاتھوں میں سردار ملے ہیں





ہم سے پوچھو نہ کیوں ہمیں خم دیدہ
 دل میں ہے ایک رات پوشیدہ
 دورِ آذر میں وہ بھی ٹوٹ گئے
 جو صنم تھے یہاں تراشیدہ
 اتنے پتھر سمیٹ لائے تھے
 اپنا دامن ہوا ہے بوسیدہ
 جلنے کیا کہہ کے ہنس بیڑی شبنم
 آسمان ہو گیا ہے ستجدہ
 اپنی منزل تو پا ہی لیں گے ہم
 ویسے یہ راستے ہیں پیچیدہ
 جانے کیا بات ہو گئی ہے تاج
 لوگ سب ہو گئے ہمیں رنجیدہ



کون کہتا ہے رات باقی ہے
بات یہ ہے کہ بات باقی ہے

مدتوں زندگی کے ساتھ رہے
زندگی سے نجات باقی ہے

پھول کھلتے ہیں کتنی قبروں پر
خاک میں بھی حیات باقی ہے

کچھ ادھوری ادھوری تحریریں
یہی کل سائنات باقی ہے

قافلے کیوں رُکے رُکے سے ہیں
کیا کوئی واردات باقی ہے

رات ہے یوں توبے ثبات مگر
صبح سے پہلے رات باقی ہے

غم نہ کر تاجِ دل کے مٹنے کا
شکر کرتی سی ذات باقی ہے





انہیں اعتبارِ محبت کہاں ہے
 ملیں ان سے کیسے، کوئی درمیاں ہے
 سیمٹے نہ رکھنا کبھی بال و پر کو
 رہائی میں پوشیدہ پھراستھاں ہے
 ابھی تک یہاں پر تو کچھ بھی نہ بدلا
 وہی زندگی ہے، وہی داستاں ہے
 مری زندگی ہے مسلسل سفر میں
 یہاں سے وہاں تک فقط آسماں ہے
 خدا جانتے یہ کونسی رہ گزر ہے
 خبر ہی نہیں ہے کہاں کارواں ہے
 اُجالوں سے نسبت کبھی ہوگی اے تاج
 ابھی تو شبِ غم مری رازِ داں ہے





یہ احساس مجھ کو رلاتا رہا ہے
کوئی یاد کر کے بھلاتا رہا ہے

زمین چمن دے رہی ہے پتہ یہہ
کوئی موسم گل میں آتا رہا ہے
جھکی جا رہی ہیں اُسی کی نگاہیں
جو تاروں سے آنکھیں ملاتا رہا ہے
اندھیکے مکاں کی نئی چو کھٹوں پر
کوئی ہے جو شمعیں جلاتا رہا ہے

میرا ہمسفر ہے یہ دورِ رستم ہی
قدم سے قدم جو ملاتا رہا ہے
ہے آدابِ محفل سے اُس کا بھی رشتہ
جو ہر روز محفل سجاتا رہا ہے
اُسی میں اے تاجِ ہمت نہ ٹوٹی
یہ دل پھر بھی نغمے سُلاتا رہا ہے





ہے کہ قص میں ماحول کا انداز مسلسل
 بچتا ہے غم زیت کا ہر سار مسلسل
 کچھ لوگ ابھی تک بھی ہیں زندانِ اَلَم میں
 کرتے ہیں مگر کوششیں پہ واز مسلسل
 ہے ظرف کی یہ بات کہ کچھ کہہ نہیں پاتے
 چہرہ ہیں سبھی درد کے غماز مسلسل
 ہم لوگ تو وہ ہیں کہ جفا کر نہیں سکتے
 اس پر بھی ہمیں ملتا ہے اعزاز مسلسل
 اے زندگی ہم ڈھونڈنے نکلے تھے تجھی کو
 دیتا رہا ہم کو کوئی آواز مسلسل
 وہ ترکِ وفا ہو کہ وہ تکمیلِ وفا تاج
 انجبا مِ تمنا تو ہے ، آغا مسلسل





زندگی ! دیکھ کیا تماشہ ہے
میں بھی رسوا ہوں تو بھی رسوا ہے

میں نے گلشن کا خواب دیکھا تھا
میری آنکھوں میں اب بھی صحرایہ ہے

کون کہتا ہے تشنہ لب ہوں میں
میری آنکھوں میں ایک دریا ہے

جل رہے ہیں چراغ سجدوں کے
جانے کس آستان کا رستہ ہے

گزرے لمحوں کے ساتھ کہہ بھی
دورِ حاضر سے اپنا رشتہ ہے

دل کی حالت نہ پوچھیے ہم سے
پہلے تنہا تھا اب بھی تنہا ہے

اس کو دریا سمجھ کے پی لے تاج
تیکر ساغر میں جو بھی قطرہ ہے





زندگی موجِ غم تھی، چلتی رہی
آرزو ہر قدم پہ سنہلتی رہی

قید میں بھی تمنا تھی پرواز کی
رقص کرتی رہی اور رہہلتی رہی

وہ نہ آئے تو ان کا پیام آگیا
اُن سے ملنے کی حسرت نکلتی رہی

مجھ کو خوابوں کے سائے میں نیندا آگئی
اور پہلو شبِ غم، بدلتی رہی

اہلِ ساحل نے طوفاں اٹھائے مگر
میری کشتی کو چلنا تھا، چلتی رہی

جب مجھے آگئیں راسِ تاریکیاں
وہ نہ آئے تو کیا، شمع جلتی رہی

ایسا ہی تاج ہوتا رہا صبح تک
شمع جلتی رہی، اور پکھلتی رہی





زخموں کے گلستاں کبھی ویراں نہیں ہوتے
 ہم آبلہ پائی سے پریشاں نہیں ہوتے
 ہم جیسی کئی بدلی ہوئی شکلیں ملیں گی
 آئینے ہمیں دیکھ کے حیراں نہیں ہوتے
 ہم آج ملک بھی ہیں اُسی عہد پہ قائم
 ہم آپ کی محفل سے گمراہاں نہیں ہوتے
 حالانکہ ہر اک سمت میں ویرانیاں کتنی
 اب چاک مگر لوگوں کے داماں نہیں ہوتے
 تسلیم تو کر لیتے ہیں وہ جبرِ وفا کو
 جب سامنے ہوتے ہیں ہیشیاں نہیں ہوتے
 اے تاج حفاظت کا بھی دعویٰ ہے انہیں کو
 جو لوگ کہ خود اپنے نگہباں نہیں ہوتے





اُجبالا سا ہم کو نظر آ رہا ہے
 ہر اک لب پہ ذکرِ سحر آ رہا ہے
 تمہیں اک اکیلے مہاجر تہیں ہو
 ہمارا بھی وقتِ سفر آ رہا ہے
 بہت تیز ہونے لگی دل کی دھڑکن
 کہ جیسے کوئی نامہ بر آ رہا ہے
 سنا ہے کہ اُن کی بھی پُرنم ہیں آنکھیں
 مری اب زباں میں اثر آ رہا ہے
 یہ محسوس ہوتا ہے تنہائیوں میں
 کوئی مچکے چپکے ادھر آ رہا ہے
 نہیں تاج آگے کوئی اور منزل
 یہ کہنے برا راہب آ رہا ہے





عمر بھر کرتے رہے ہیں ہم بھی ارمانِ حیات
 ہاتھ میں اپنے نہ آیا پھر بھی دامنِ حیات
 نہ زندگی کے نام پر جب تھوڑی سانسیں بچ گئیں
 یا اس آیا میرا قاتل لے کے سامانِ حیات
 ساری دانائی خردمندوں کی آخر رہ گئی
 ہو گیا اہل جنوں کو جب بھی عرصہ انِ حیات
 فصلِ گل میں بڑھ گئی ہے آرزو پر وار کی
 جانے کس دن لے اُڑے گا تجھ کو زندانِ حیات
 ہم کو بھی دیوانگی کا تھوڑا اندازہ ہوا
 گر رہی تھی ہاتھ سے جس وقت میزانِ حیات
 وہ کریں گے تاج کیا ادروں کے زخموں کا علاج
 جن کو سینا ہی نہیں آیا گریبانِ حیات





ہم آبلہ پانی کی بھی پروا نہیں کرتے
چھاؤں کی سفر میں بھی تمنا نہیں کرتے

چلتے ہیں یہاں تازہ ہواؤں کی طرح ہم
کچھ بھی ہو کبھی راہ میں ٹھہرا نہیں کرتے

یہ کونسا موسم ہے کہ خاموش فصل ہے
اب لوگ بہاروں کا بھی سودا نہیں کرتے

بے معنی ہیں اپنے لئے یہ طوق و سلاسل
دیواریں جو اونچی ہوں تو دیکھا نہیں کرتے

جائیں گے کہاں پھر یہ زمانے کے اندھیرے
اس واسطے ہم گھر میں اُجلا نہیں کرتے

خود آپ مراد زور یہاں دیکھ چکے ہیں
اب ارض و سما بھی تجھ رسوا نہیں کرتے

کچھ ایسے مہاجر بھی ہیں اس شہر میں اے تاج
خیمے تو تے ہیں بسرا نہیں کرتے





یہ اہتمام عقیدت تو اک بہانہ ہے
ہمیں تو آپ کے آگے ہی سر جھکا نا ہے

میں بے سہارا سہی پھر نہیں سوچتا ہے مجھے
سنا ہے پاس ہیں کوئی آستانہ ہے

یہ اور بات کہ ترکِ رستم کیا تم نے
یہ التفاتِ نظر بھی تو اک بہانہ ہے

عجیب رنگ ہے اب کے سفر کا اپنے لئے
ہمارے ساتھ نہیں تم مگر نہ مانہ ہے

ہمارے تارِ نفس کس قدر ہوئے خاموش
نہیں ہے سارے مگر ہم کو گنگنا نا ہے

ہے کون جا کے جو سمجھائے ناخداؤں کو
دلو کے کشتی انہیں بھی تو ڈوب جانا ہے

چمن میں رہ کے بھی تم اشکبار ہواے تاج
تمہیں تو دار پہ جا کر بھی مسکراتا ہے





اُجبالا سا ہم کو نظر آ رہا ہے
 ہر اک لب پہ ذکرِ سحر آ رہا ہے
 تمہیں اک اکیلے مہاجر تہیں ہو
 ہمارا بھی وقتِ سفر آ رہا ہے
 بہت تیز ہونے لگی دل کی دھڑکن
 کہ جیسے کوئی نامہ بر آ رہا ہے
 سنا ہے کہ اُن کی بھی پُرنم ہیں آنکھیں
 مری اب زباں میں اثر آ رہا ہے
 یہ محسوس ہوتا ہے تنہائیوں میں
 کوئی مچکے چپکے ادھر آ رہا ہے
 نہیں تاج آگے کوئی اور منزل
 یہ کہنے برا راہب آ رہا ہے





عمر بھر کرتے رہے ہیں ہم بھی ارمانِ حیات
 ہاتھ میں اپنے نہ آیا پھر بھی دامنِ حیات
 نہ زندگی کے نام پر جب تھوڑی سانسیں بچ گئیں
 پاس آیا میرا قاتل، لے کے سامانِ حیات
 ساری دانائی خردمندوں کی آخر رہ گئی
 ہو گیا اہل جنوں کو جب بھی عرفانِ حیات
 فصلِ گل میں بڑھ گئی ہے آرزو پر وار کی
 جانے کس دن لے اُڑے گا مجھ کو زندانِ حیات
 ہم کو بھی دیوانگی کا تھوڑا اندازہ ہوا
 گرہ رہی تھی ہاتھ سے جس وقت میزانِ حیات
 وہ کریں گے تاج کیا اوروں کے زخموں کا علاج
 جن کو سینا ہی نہیں آیا گریبانِ حیات





ہم آبلہ پانی کی بھی پروا نہیں کرتے
چھاؤں کی سفر میں بھی تمنا نہیں کرتے

چلتے ہیں یہاں تازہ ہواؤں کی طرح ہم
کچھ بھی ہو کبھی راہ میں ٹھہرا نہیں کرتے

یہ کونسا موسم ہے کہ خاموش فضا ہے
اب لوگ بہاروں کا بھی سودا نہیں کرتے

بے معنی ہیں اپنے لئے یہ طوق و سلاسل
دیواریں جو اونچی ہوں تو دیکھا نہیں کرتے

جائیں گے کہاں پھر یہ زمانے کے اندھیرے
اس واسطے ہم گھر میں اُجالا نہیں کرتے

خود آپ مراد زریہاں دیکھ چکے ہیں
اب ارض و سما بھی مجھ رسوا ہیں کرتے

کچھ ایسے مہاجر بھی ہیں اس شہر میں اے تاج
خیخے تو تے ہیں بسیرا نہیں کرتے





یہ اہتمام عقیدت تو اک بہانہ ہے
 ہمیں تو آپ کے آگے ہی سر جھکانا ہے
 میں بے سہارا سہی پھر بھی سوچتا ہے مجھ
 سنا ہے پاس یہیں کوئی آستانہ ہے
 یہ اور بات کہ ترکِ ستم کیا تم نے
 یہ التفاتِ نظر بھی تو اک بہانہ ہے
 عجیب رنگ ہے اب کے سفر کا اپنے لئے
 ہمارے ساتھ نہیں تم مگر نہ مانہ ہے
 ہمارے تارِ نفس کس قدر ہوئے خاموش
 نہیں ہے ساز مگر ہم کو گنگنا نا ہے
 ہے کون جا کے جو سمجھائے نا خداؤں کو
 دُلو کے کشتی انہیں بھی تو ڈوب جانا ہے
 چین میں رہ کے بھی تم اشکبار ہو اے تاج
 تمہیں تو دار پہ حب اکہ بھی مسکرا نا ہے





جو تجھ پہ گزری ہے وہ سب پہ آشکار نہ کر
 سوائے اپنے کسی کا بھی اعتبار نہ کر
 یقین نہیں کہ کوئی پھر ادھر سے گزرے گا
 چراغِ دل کا جلا پھر بھی انتظار نہ کر
 دیارِ دل میں ابھی کچھ سکون باقی ہے
 خدا یا! دل کو مرے اُن کی رہگذار نہ کر
 زمانہ بیت گیا ترکِ مدعا کر کے
 ہمارا اہل طلب میں کبھی شمار نہ کر
 رنج و گروں کی کمی ہے تلاش کر پہلے
 ابھی تو دامنِ دل اپنا تار تار نہ کر
 جہاں میں تاجِ خوشی سب کو مل نہیں سکتی
 تو اپنے دل کو کبھی اتنا سو گوار نہ کر





بے فیض دن گزارے ہیں فصل بہار کے
 مَر جھا گئے ہیں پھول سبھی انتظار کے
 تشنہ لبوں کو کوئی شکایت نہ ہونے پائے
 ساعر نہ لوط جائیں کہیں اعتبار کے
 اپنے پردوں میں خود ہی سِمنٹا پڑا ہوں !
 کم ہو گئے تھے دائرے جب اختیار کے
 یہ زندگی فریب ، تبسم بھی ہے فریب
 یہ کیسے رنگ ہو گئے لیل و نہار کے
 دامن بھی ہمارا تھا ، زخمی بدن بھی تھے
 جانا پڑا چمن سے یوں ہی دن گزار کے
 گمراہ تاج ہو گئے سب رہرواں شوق
 رستے بڑے عجیب تھے تیرے دیار کے





ہوتی ہے نہ مانے سگری بات ابھی تک
 باقی ہیں کئی اُس سے شکایات ابھی تک
 یوں تو ہے نہ مانے کی مسرت مجھے حاصل
 ہوتی ہے ترے غم سے ملاقات ابھی تک
 پہلے کی طرح اب تھی دامن تو نہیں ہوں
 کچھ لوگوں کا مجھ پر ہیں عنایات ابھی تک
 بچھڑے ہوئے اُن سے تو نہ مانہ ہوا لیکن
 چلتا ہے کوئی جیسے مرے ساتھ ابھی تک
 دوبارہ کبھی زیست میں آئے نہیں لیکن
 ہم بھول نہیں پائے وہ لمحات ابھی تک
 پہلے کی طرح تاج تری آنکھیں ہیں پرِ نم
 بدلے نہیں شاید ترے حالات ابھی تک





یہ وقت اگر مجھ سے یوں انجیاں رہے گا
 تم دیکھنا اک دن وہ پشیمان رہے گا
 اس واسطے شمعوں کو بجلائے ہوئے رکھنا
 محفل میں اندھیروں کا بھی امکان رہے گا
 یہ سوچ کے ہم زخمی بدن آئے یہاں تک
 زنداں میں بہاروں کا بھی سامان رہے گا
 دریا میں تلاطم بھی ہوا کرتا ہے لیکن
 اب کے تو سفینوں میں بھی طوفان رہے گا
 اُس کو بھی صلیبوں سے بچا لائیں گے کچھ لوگ
 جو شخص مرے درد کی پہچان رہے گا
 ہر سمت نظر آئے گی جب آپ کی صورت
 آئینہ مرے ہاتھوں میں حیران رہے گا
 دل خوش ہے مرا تاج بہت آپ سے مل کر
 جب آپ نہ ہوں اور پریشان رہے گا





روشن کہاں ہیں آپ کے نقشِ قدم ابھی
 کچھ سوچ کر کھڑے ہیں سرِ راہ ہم ابھی
 ساحلِ نواز موجیں ابھی ہم سے دُور ہیں
 طوفان سے ہمکنار نہیں چشمِ تم ابھی
 آئینہ ساز لوگ نہ جانے کہاں گئے
 وہ در بھٹکتے رہتے ہیں کتنے غم ابھی
 ان بلیوں کو چین سے جینے نہ دیں گے ہم
 ہم تو منار ہے ہیں نشیمن کا غم ابھی
 مجھ کو تو اپنے تنگی دامن کی فکر ہے
 آمادہ کرم ہے وہ دستِ کرم ابھی
 طرزِ سخن پہ تاج کے حیران کیوں ہیں آپ
 دیکھا کہاں ہے آپ نے زورِ قلم ابھی





عالم ہے شبِ غم کا، یہ تنہائی بہت ہے
 ماضی کی مجھے ایسے میں یاد آئی بہت ہے
 اوروں کو ہوا کرتی ہے مرہم کی ضرورت
 میکہ لئے لفظوں کی مسیحائی بہت ہے
 اب ہم نہیں کھائیں گے یہاں خضر سے دھوکہ
 جینے کے لئے لالہ صحرائی بہت ہے
 اشکوں کے سمندر کا نہیں کوئی بھی ساحل
 اب موجِ تبسم میں بھی گہرائی بہت ہے
 ہر طرح سے ہم آج بہت ٹوٹ چکے ہیں
 ہم کو تری تھوڑی سی پذیرائی بہت ہے
 اندازِ مخاطب ہے ترا تاجِ موثر
 باتوں میں بھی لیکن تری دانائی بہت ہے





آنکھوں میں بسا لیں تجھے، یا دل میں سجا لیں
 اے خوابِ تمنا تجھے کس طرح چھپا لیں
 ہم خود کو سجا لیں گے، سنواریں گے بھی لیکن
 پہلے ذرا پتھر کو تو آئینہ بنا لیں
 کچھ لوگ خفا ہیں تو خفا رہنے دو ان کو
 وابستہ جو ہم سے ہیں انہیں اپنا بتا لیں
 پھولوں پہ کبھی آنچ نہ آئے گی چمن میں
 اچھا ہے جو کانتوں ہی سے دامن کو بچا لیں
 ہو جائے سکاگشن میں اُجبالا تو یقیناً
 تنکے جو اٹھا رکھتے ہیں ہم اُن کو جلا لیں
 بڑھ جائے گی اے تاج تمھاری بھی ضیاء اور
 ہم چاند ستاروں کو اگر پاس مِلا لیں





پھر چاند ستارے بھی نظر آنے لگے ہیں
بھولے تھے جو رستہ وہی گھر آنے لگے ہیں

زندیاں میں کبھی اتنا اُجبالا تو نہیں تھا
بھونکے بھی ہواؤں کے ادھر آنے لگے ہیں

خوشبو کا ہوا ہے مجھے احساس سفر میں
کیا شاخِ تمنا پہ ثمر آنے لگے ہیں

شائد وہ سمجھ بیٹھے ہیں میں راہِ نما ہوں
پھر ساتھ مرے اہل سفر آنے لگے ہیں

جس شے کو بھی میں چھو لوں وہ شبہ کا بنے گی
ہاتھوں میں مرے دستِ ہنر آنے لگے ہیں

اک وقت تھا اے تاجِ نہ تھا پلو چھنے والا
اب ساتھ ترے شمس و قمر آنے لگے ہیں





دنیا سے ہمیں شکوے شکایات کہاں ہیں
پہلے کی طرح اپنے وہ حالات کہاں ہیں

سب لوگ نیا شہر بسانے میں ہیں، میں مصروف
یہ کون بتائے گا، مکانات کہاں ہیں

موجود ہوں محفل میں سبھی دیکھ رہے ہیں
یہ کس کو خبر ہے کہ خیالات کہاں ہیں

جن سے کہ مرے ہاتھوں میں اب تک ہیں کئی زخم
لوٹے ہوئے شیشے کے وہ ذرات کہاں ہیں

مانا کہ مری زلیست کتابوں کی طرح ہے
جس پر تھا مرا نام وہ صفحات کہاں ہیں

اے گردشِ دوراں ! مجھے بس اتنا بتا دے
جو چھین لئے تو نے، وہ لمحات کہاں ہیں

یہ دورِ تمنا بھی عجب دور ہے اے تاج
جو لوگ مرے ساتھ تھے اب سات کہاں ہیں





کسے ہمارے سامنے مانا و قہا کا ہے
 اب درمیانِ فاصلہ ارض و سما کا ہے
 کیا جانے کون آیا ہے دامنِ سمیٹ کر
 اہلِ چین کو آج بھی دھوکہ صبا کا ہے
 یہ میر سمجھ کے آپ کو سب لوگ چل پڑے
 سارا قصور آپ کی آوازِ پا کا ہے
 یہ زندگی فریب ، تمنا فریب ہے
 یہ گرمی حیات بھی جھونکا ہوا کا ہے
 کس کو بلی ہے منزلِ عرفاں نہ یو چھٹے
 یہ بھی کرشمہ صاحبِ دستِ عطا کا ہے
 میں زندگی ہوں تاجِ ترے آس پاس ہوں
 اب انتظارِ محمد کو بھی تیری صدا کا ہے





کب اپنا شبِ غم سے تصادم نہیں ہوتا
ہونٹوں پہ مگر پھر بھی تبسم نہیں ہوتا

کیا دل کی صدا سے مری مانوس نہیں تم؟
کیا ٹوٹتے شیشوں میں ترسم نہیں ہوتا؟

الفاظ کی گرمی سے سبق ہم نے لیا ہے
مفہوم کی وسعت میں کوئی گم نہیں ہوتا

ہر طرح کی باتوں کو یہاں ہم نے سنا ہے
خاموشی کا یہ طرزِ تکلم نہیں ہوتا

ظاہر ہے کہ بنتا ہے فریبوں کا نشانہ
محرا کے سدا بول میں تلاطم نہیں ہوتا

سنتے ہیں تہی ذات کا افسانہ سمجھی تاج
لیکن کوئی اک شخص بھی گم صم نہیں ہوتا





برس رہا ہے پھر اب بہار آنکھوں سے
 زمین دشت ہوئی لالہ زار آنکھوں سے
 مرے خلاف نہیں جائے گا غمِ دوراں
 کیا ہے اُس نے بھی قول و قدر آنکھوں سے
 یہ مانا ہم سے کوئی بے نیاز رہتا ہے
 ٹپک رہا ہے مگر انتظار آنکھوں سے
 پلٹ کے آئے وہ دوبارہ پھر نہ جائے کہیں
 تجھ اس طرح سے کسی کو پکار آنکھوں سے
 کسی بھی رات نہ خوابوں کی گفتگو کیجے
 ابھی ابھی تو گیا ہے خسار آنکھوں سے
 ہمیں نے تاج اُجالے یہاں پہ پھیلائے
 اُٹھایا خوابِ تمت کا بار آنکھوں سے





دنیا سے ہمیں شکوے شکایات کہاں ہیں
پہلے کئی طرح اپنے وہ حالات کہاں ہیں

سب لوگ نیا شہر بسانے میں ہیں مصروف
یہ کون بتائے سکا، مکانات کہاں ہیں

موجود ہوں محفل میں سبھی دیکھ رہے ہیں
یہ کس کو خبہر ہے کہ خیالات کہاں ہیں

جن سے کہ مرے ہاتھوں میں اب تک ہیں کٹی زخم
ٹوٹے ہوئے ٹیشے کے وہ ذرات کہاں ہیں

مانا کہ مری زلیست کتابوں کی طرح ہے
جس پر تھا مرا نام وہ صفحات کہاں ہیں

اے گردشِ دردِ وراں ! مجھے بس اتنا بتا دے
جو چھین لئے تو نے، وہ لمحات کہاں ہیں

یہ دورِ تمتنا بھی عجب دور ہے اے تاج
جو لوگ مرے ساتھ تھے اب سات کہاں ہیں





دستہ ہمارے سامنے مانا و قہا کا ہے
 اب درمیان فاصلہ ارض و سما کا ہے
 کیا جانے کون آیا ہے دامن سمیٹ کر
 اہل چین کو آج بھی دھوکہ صبا کا ہے
 رہبرِ سمجھ کے آپ کو سب لوگ چل پڑے
 سارا قصور آپ کی آواز پر پا کا ہے
 یہ زندگی فریب ، تمنا فریب ہے
 یہ گرمی حیات بھی جھونکا ہوا کا ہے
 کس کو ملی ہے منزلِ عرفاں نہ یو چھٹے
 یہ بھی کرشمہ صاحبِ دستِ عطا کا ہے
 میں زندگی ہوں تاج ترے آس پاس ہوں
 اب انتظارِ مجھ کو بھی تیری صدا کا ہے





آنکھوں میں بسا لیں تجھے، یا دل میں سجا لیں
 اے خوابِ تمنا تجھے کس طرح چھپا لیں
 ہم خود کو سجا لیں گے، سنواریں گے بھی لیکن
 پہلے ذرا پتھر کو تو آئینہ بنا لیں
 کچھ لوگ خفا ہیں تو خفا رہنے دو ان کو
 وابستہ جو ہم سے ہیں انہیں اپنا بتا لیں
 پھولوں پہ کبھی آنچ نہ آئے گی چمن میں
 اچھا ہے جو کانتوں ہی سے دامن کو بچا لیں
 ہو جائے کلشن میں اُجبالا تو یقیناً
 تنکے جو اٹھا رکھتے ہیں ہم ان کو جلا لیں
 بڑھ جائے گی اے تاج تمھاری بھی ضیاء اور
 ہم چاند ستاروں کو اگر پاس بلا لیں





پھر چاند ستارے بھی نظر آنے لگے ہیں
 بھولے تھے جو رستہ وہی گھر آنے لگے ہیں
 زنداں میں کبھی اتنا اُجلا تو نہیں تھا
 بھونکے بھی ہواؤں کے ادھر آنے لگے ہیں
 خوشبو کا ہوا ہے مجھے احساس سفر میں
 کیا شاخِ تمنا پہ ثمر آنے لگے ہیں
 شاید وہ سمجھ بیٹھے ہیں میں راہ نما ہوں
 پھر ساتھ مرے اہل سفر آنے لگے ہیں
 جس شے کو بھی میں چھو لوں وہ شبہ کا بنے گی
 ہاتھوں میں مرے دستِ ہنر آنے لگے ہیں
 اک وقت تھا اے تاج نہ تھا پلو چھنے والا
 اب ساتھ ترے شمس و قمر آنے لگے ہیں





اُجالوں کے کرتے ہیں سا مان کیا کیا
 چراغوں کے ہم کو ہیں ارمان کیا کیا
 بجھی شمع اور بدھواں اُٹھ رہا ہے
 سحر کے بھی ہوتے ہیں ارمان کیا کیا
 کبھی آرزو ہے ، کبھی حسرتیں ہیں
 مقابل ہیں اپنے بھی طوفان کیا کیا
 تبسم ، ترنم ، تکلّم ، مخاطب
 بنائی ہے ہم نے بھی پہچان کیا کیا
 بدلتے لباسوں میں موسم کی صورت
 مرے پاس آتے ہیں مہمان کیا کیا
 یہاں تاج کوئی نہیں آج اپنا
 کئے تھے یہاں ہم نے ارمان کیا کیا





مقتل ہمارے واسطے اور دار رہ گئے
 ہم پھر بھی منزلوں کے طلبگار رہ گئے
 کچھ ناز رہی ہیں وہ آگے نکل گئے
 کچھ ہم سفر کے شوق میں سرشار رہ گئے
 بہت بڑھا سکی نہ پردوں کی شکلی
 اُڑنے کا جو صلہ لئے ہر بار رہ گئے
 مدت بہت ہی کم ہے سناؤں میں کس طرح
 دن زندگی کے واسطے دو چار رہ گئے
 کسی تھی جھڑپوں نے خون سے آرائش چمن
 پھولوں کے بدلے اُن کے لئے خسار رہ گئے
 اے تاج آرزوؤں کے صحرایہ بیٹھے
 اچھا ہوا جو یادوں کے گلزار رہ گئے





زخموں کو ہر اک دل سے جدا میں نے کیا ہے
 یہ کام زمانے میں سدا میں نے کیا ہے
 تڑپیں گلستاں کا سبب پوچھنے والو
 کیا موسمِ گل کو بھی خفا میں نے کیا ہے
 الزامِ جفا دینے میں وہ سب سے ہیں آگے
 جن لوگوں کو پابندِ وفا میں نے کیا ہے
 منزل پہ پہنچ کر کبھی مغرور نہ ہوتا
 روشن تری راہوں میں دیا میں نے کیا ہے
 اس طرح کیا کرتے ہیں کچھ لوگ تعاقب
 جیسے کہ ہر اک زخمِ عطا میں نے کیا ہے
 ہیں تاج کے دامن میں مہکتے ہوئے کچھ پھول
 یہ جرم بھی اے بادِ صبا میں نے کیا ہے





کیسے پر والے ہیں تنویر سے جل جاتے ہیں
 جلوہ حسن کی تاثیر سے جل جاتے ہیں
 کون سنا ہے یہاں شعلہ بیانی میری
 سب میری گرمی غریب سے جل جاتے ہیں
 ہم کو معلوم ہے کیا ہوتا ہے پھولوں کا مزاج
 وہ تو شبنم کی ~~پھولوں~~ سے جل جاتے ہیں
 پوچھنا یہ بھی ہے اب اہل ہند سے مجھ کو
 آئینے کیوں مری تصویر سے جل جاتے ہیں
 جسم جلتے نہیں احساس کی گرمی سے کبھی
 تپشِ حلقہ زنجیر سے جل جاتے ہیں
 تاجِ اس بات کا افسوس رہے گا مجھ کو
 لوگ اب بھی مری تو قیہ سے جل جاتے ہیں





یہ التفاتِ لطف و کرم اور بات ہے
دنیا سے مل رہے ہیں جو غم اور بات ہے
بے اختیار ہم نے جھکایا ہے اپنا سر
یہ امتیازِ دیر و حرم اور بات ہے
اشکوں کو یونہی بہنے کی عادت سی ہو گئی
کہتا نہیں ہے کوئی ستم اور بات ہے
حالاتِ زندگی کے، کتابوں میں بند ہیں
رکتا نہیں ہے اپنا قلم اور بات ہے
مانا کہ اپنی راہ میں منزل نہیں کوئی
بڑھتے ہیں پھر بھی اپنے قدم اور بات ہے
مہم چل رہے ہیں اب بھی اندھیروں کے ساتھ ساتھ
رکتے ہیں روشنی کا بھرم اور بات ہے
ہم تاجِ زندگی کے تقاضوں کے دور میں
بھرتے ہیں نہ کمائی کا دم اور بات ہے



کبھی تو شہر کے موسمِ قراب ہوتے ہیں
کبھی نظر میں بہاروں کے خواب ہوتے ہیں

جو لوگ چلتے ہوئے راہ میں نہیں رکے
وہی تو لوگ یہاں کامیاب ہوتے ہیں

تمام اہل جنوں کو یہ یاد رکھنا ہے
خوشیوں میں بھی کچھ انقلاب ہوتے ہیں

نفسِ نفس میں کہانی دلوں کی ہوتی ہے
قدم و قدم پہ محبت کے باب ہوتے ہیں

خزاں نصیبوں کی ہم پر نگاہ رہتی ہے
ہمارے ہاتھ میں جب بھی گلاب ہوتے ہیں

تمہیں بھی کرنا ہے اے تاجِ اس کا اندازہ
رہِ حیات میں کتنے سدا ہوتے ہیں





جلتے کے لئے ہم کبھی تیار نہیں تھے
 یہ بات الگ ہے پس دیوار نہیں تھے
 پھر کون صلیبوں سے اٹھا لایا ہے مجھ کو
 جب آپ مرے ساتھ سردار نہیں تھے
 قاتل کو سمجھ بیٹھے ہیں سب لوگ مسیحا
 اتنے تو کبھی شہر میں بیمار نہیں تھے
 وہ لوگ ہیں خود اپنی جفاؤں پہ پشیمال
 جو لوگ ہمارے کبھی غمخوار نہیں تھے
 ٹوٹے ہوئے گھر کو مرے دوبارہ بناتے
 سب لوگ تھے لیکن ہمیں معمار نہیں تھے
 ہم سیر جن کے لئے آئے تھے یہاں تاج
 دیکھا تو بہاروں کے بھی آثار نہیں تھے





یہ حال ہو گیا ہے دل کا، جگر کا، جاں کا
ہر لمحہ زندگی کا لگتا ہے امتحان کا
اب تک بھی میرے لب پر نغمے ہیں فصلِ گل کے
منظرِ ناز میں اب تک باقی ہے گلستاں کا

سارا نہ مانہ میرے ہمراہ چل رہا ہے
ڈر ہے بدل نہ جائے پھر رنگِ آسماں کا
کس راہ سے نہ جانے گزرے ہیں اہلِ منزل
ملتا نہیں نشاں بھی اب ہم کو کارِ واں کا
پہنچیں گے کس طرح ہم، اس سوچ میں ہی ہم ہیں
مقتل سے کم نہیں ہے رستہ تہہ مکان کا

ہم مطمئن نہیں اب خود آپ ہی بتائیں
کس طرح تاج ہو گا، انجامِ داستاں کا





شورِ لغمہ بھی نہیں، رقصِ تہیں، مسارہ تہیں
زندگی! پہلے کی صورتِ تمرا انداز تہیں

ایک سناٹا مری ذات کے اندر ہے ابھی
دل کی دھڑکن کے سوا کوئی بھی آواز نہیں

آج تک بامِ قفس پہ ہیں بہاروں کے نشاں
کون کہتا ہے مجھے طاقتِ پروانہ نہیں

سب کے چہروں پہ ابھی تک ہے تبسمِ کالقب
کیا تماشہ ہے کوئی دردِ کاغذِ از نہیں

ہم کو یوں ترکِ لکلم سے نہ رسوا کیجے
خاموشی طرزِ ستم ہے کوئی اعزاز نہیں

ایسی کیا بات ہوئی تاجِ ذرا سوچ بھی لو
موسمِ گل کا ابھی تک، کہیں آغاز نہیں





یہ زندگی ہے کیسی، کیسا ہے لمحہ
احساسِ تشنگی میں ڈوبا ہے لمحہ

افسانے زندگی کے جب داستاں بنے ہیں
کیوں زندگی کو ہم نے سوچا ہے لمحہ

تنہائیوں کے صدمے کب تک اٹھائیں گے ہم
اب تک ہیں ہم اکیلے، تنہا ہے لمحہ

وہ زندگی ہمیں کو پہچانتی نہیں ہے
جس زندگی کو ہم نے دیکھا ہے لمحہ

اک رات ہی سحر کے اور میرے درمیاں تھی
اب کیا بتاؤں کیسے گزرا ہے لمحہ

مشقِ ستم تو ہم پہ صدیوں سے ہو رہی ہے
اس طرح کا تماشا ہو رہا ہے لمحہ

اے تاجِ سوئے گلشنِ چل کر پتہ لگالیں
نقشِ قدم سے کس کے مہکا ہے لمحہ





دیکھا نہیں ہے آپ نے زخمِ جگر کو یوں
 ہم درتہ روک دیتے کسی چارہ گر کو یوں
 مجھ کو یقین ہے کہ مراد ہنسنا ہے وہ
 الجھارہ ہا ہے جو مرے شوقِ سفر کو یوں
 منزلِ سمجھ کے میں بھی بہت خوش خرام ہوں
 چمکا گیا ہے کوئی مری رہ بگذر کو یوں
 اُس کے تمام آنسو مرے دل میں جذب ہیں
 دیکھا نہیں تھا میں نے کسی چشمِ تر کو یوں
 اُنکیتِ جس کو بننا تھا، اُنکیتِ بن گیا
 الزام تو نہ دیجئے دستِ ہنسہ کو یوں
 دستِ طلب میں تاجِ یہ کیا تم نے رکھ دیا
 مانگا نہیں تھا میں نے تو لعل و گہر کو یوں





بتائیں گے وہ میرا حالِ جبگر کیا
 پریشاں نہیں ہیں مرے چارہ مگر کیا
 نہ پوچھو کہ کیوں اتنی بے تابیاں ہیں
 نہیں میری حالت کسی تم کو خبر کیا
 گیا وہ نہ مانتے کہ سب کی خبر تھی
 اب ایسا ہے عالم کہ شب کیا سحر کیا
 ہمارے بھی پاؤں میں چھلے پڑے ہیں
 تمہیں کمر رہے ہو یہاں پہ سفر کیا
 ذرا دیکھ لیتے کون آرزو کی
 نہیں تم کو اتنی بھی تاب نظر کیا
 سفر جیب سمندر کا کرنا ہی ٹھہرا
 سفینہ ہمارا، ادھر کیا، ادھر کیا
 یہ دل تاجِ آئینہ کیسے بنا ہے
 تمہیں مل گیا کوئی دستِ ہنر کیا





دامن جو دریدہ ہیں وہ اب سل تو رہے ہیں
ہیں سہمے ہوئے لوگ مچلے مل تو رہے ہیں

یہ بات الگ ہے نہیں رستے کا تعین
کچھ لوگ مگر طالب منزل تو رہے ہیں

اب دل کو نہیں اپنے کسی کا بھی بھروسہ
جو اب ہیں مسیحا کبھی قاتل تو رہے ہیں

لگتا ہے موافق ہیں یہ موسم کی ہوائیں
کچھ بھی ہو چین میں ابھی گل کھل تو رہے ہیں

دولے میں کئی لوگ مقدمہ تھا یہ اُن کا
کچھ لوگ سفینے لب ساحل تو رہے ہیں

جلتے نہیں تنہا یہ طبیعت یہ ہے ہماری
محفل میں مگر آپ کی شامل تو رہے ہیں

مانا کہ نہیں آئیں گے اب قاجار دوبارہ
دھمکے مگر زیت کا حال تو رہے ہیں





دیتا ہے کوئی دُکسِ وفا بات بات پر
 ہوتا ہے یو نہی ہم سے خفا بات بات پر
 واقف نہیں ہیں خونِ جگر سے جو آج تک
 وہ دیکھتے ہیں رنگِ چنا بات بات پر
 مدت سے پتھروں کی پرستش میں جو رہے
 اُن کو بھی یاد آیا خدا بات بات پر
 طوقاں میں ہے سفینہ تمھارا تو ہم کو کیا
 کیوں ہم کو دے رہے ہو صدا بات بات پر
 کرتا نہیں ہے کوئی عنایت کا تذکرہ
 ہوتا ہے ذکرِ جور و جفا بات بات پر
 عادت نہیں ہے جن کو شکایت کی ریز و شب
 کرنے لگے ہیں ہم سے گلہ بات بات پر
 حال تک تاج کوئی نہیں باؤں ایہاں
 کرتے ہیں لوگ عہدِ وفا بات بات پر





یہ ماہ و سال، شام و سحر اتفاق ہے
 باقی ہے زندگی بھی مگر اتفاق ہے
 راہ و فاس میں ساتھ نہیں ہے کوئی مگر
 کرتے ہیں ساتھ آپ سفر اتفاق ہے
 تاریکیاں زمین پہ پھیلی ہیں آج بھی
 جاتی ہے آسماں پہ نظر اتفاق ہے
 بچھڑے ہوئے کسی کو زمانہ گزر گیا
 وہ مل گیا ہے بارِ دیگر اتفاق ہے
 ہم نے کسی کا دل کبھی توڑا نہیں مگر
 آتا ہے ہم کو یہ بھی ہستہ اتفاق ہے
 آبادیاں تو ریت میں ہوتی نہیں کہیں
 ہم نے بنا لیا ہے جو گھر اتفاق ہے
 ہے تاج اپنے سر پہ، امارت کی ہے لیل
 ہم بانٹتے ہیں غسل و گھر اتفاق ہے





قصور اپنا اتنا تھا، ہم با وفا تھے
چمن میں تھے ہم اور وقف سزا تھے

نہ ساحل کو دیکھا نہ طوفان دیکھے
مسافر سمندر کے سب سے جدا تھے

نہ اتراؤ پھولوں کی اب تازگی پر
چمن تھا تمہارا مگر ہم صبا تھے

اُجبالوں میں جانے کہاں کھو گئے ہیں
وہ سائے جو یادوں کا اک سلسلہ تھے

وہی آسماں کی طرح ہم پہ ٹوٹے
وہ دیوارِ درد جو کبھی آسرا تھے

کبھی ہم کو اُے زندگی دیکھ لینا
ترے ہم قدم تھے ترے ہمنوا تھے

ابھی تاجِ خاموش رہنے دو ہم کو
کبھی ہم قفس میں بھی نغمہ سرائے





غمِ دوراں کے پھر مقابل ہوں
زندگی ! دیکھ تیرا حاصل ہوں

کشتیوں کا خدا ہی حافظ ہے
تم تلاطم ہو میں بھی ساحل ہوں

اب بھی تمہا ہوں ذات میں اپنی
بھیٹر میں غم کی میں بھی شامل ہوں

یہ زمیں آسمان ملتے ہیں
میں کہاں درمیان میں حائل ہوں

مجھ کو بھی آپ اپنا غم دیجے
مسکرا نے کی میں بھی قابل ہوں

زندگی مجھ سے تاج کہتی ہے
تیری حسرت ہوں تیرا حاصل ہوں





تلاطم تھا، موجیں تھیں، بے تابیاں تھیں
ہواؤں میں طوفاں کی انگڑائیاں تھیں

یوں لگتا تھا اپنا کوئی ہمقدم ہے
پلٹ کر جو دیکھا تو پرچھائیاں تھیں

ترے پاس آنا تھا پل بھر میں آئے
یہ مانا کہ رستے میں دشواریاں تھیں

حصارِ خودی سے نکل کر جو دیکھا
بہت دُور تک اپنی تنہائیاں تھیں

کچھ اس طرح ڈوبے کہ ہم پھر نہ ابھرے
کچھ ایسی تخیل میں گہرائیاں تھیں

فسانے محبت کے لکھتے رہے تاج
ہماری ہی دنیا میں رسوائیاں تھیں





پھر اپنے سر پہ تاج ہے وقفِ صلیب ہیں
دنیا سمجھ رہی ہے کہ ہم خوش نصیب ہیں
ہم کو بُلا کے گھر میں اُجالا تو کیجئے
ہیں چاند تارے دور، مگر ہم قریب ہیں

کانٹوں سے مل کے آئی ہے گلشن میں پھر بہار
پھر مضطرب چمن میں بہت عندلیب ہیں
دامن میں پھول ہیں تلو ہاتھوں میں کوئی زخم
گلشن میں رہنے والے بہت ہی غریب ہیں

کچھ لوگ دفن اپنے مسکالوں میں ہو گئے
ویسے بھی اپنے شہر کے منظر عجیب ہیں
حالانکہ تاجِ اس میں صداقت نہیں کوئی
سمجھ کو لوگ کہتے ہیں ہم بھی صلیب ہیں





ہر گھڑی آپ آزماتے ہیں
ہم بھی کیا کیا فریب کھاتے ہیں

ہم کو اپنا کوئی نہیں ملتا
لوگ آتے ہیں، لوگ جاتے ہیں
جل اٹھے تھے جو آرزو کے چراغ
لیجئے آج ہم بھڑکتے ہیں

آپ کی رہبری کے کیا کہنے
ہر قدم ہم بھی لڑکھڑاتے ہیں
آپ گر حباب میں نہ لے جائیں
ہم تو ساحل پہ ڈوب جائیں

آپ کے ہم نہیں ہیں ہم سائے
آپ دیوار میں کیوں اٹھاتے ہیں

ساج کیوں جانے آج بھی کچھ غم
دل کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں





موسم تو بہاروں کے بہت دن سے خفا ہیں
 اس واسطے ہم لوگ بھی مصروفِ دمخا ہیں
 اظہارِ تمنا کے کئی رنگ ہیں لیکن
 یہ بات الگ ہے کہ اب الفاظ جدا ہیں
 اک عمر سے عادت ہے انہیں ترکِ وفا کی
 ہم ہیں کہ مگر آج بھی پابندِ وفا ہیں
 ہم تو کسی غم سے کبھی مانوس نہیں تھے
 ہم آج بہت خوش ہیں کہ وہ ہم سے خفا ہیں
 اک عمر سے ہم فیضِ رسانی کے ہیں عادی
 ہم لوگ یہاں آج بھی مانندِ صبا ہیں
 کیوں تاج تمہیں ہوتا ہے اب فوقِ سفر کا
 ہم جادہٗ منزل بھی ہیں راہِ نما ہیں





جن کو بھی شوق تھا دہی سورج لئے پھرے
 کمرلوں کی تیز دھار سے ہم لوگ جل گئے
 ہم نے ردا اُجالوں کی بس یونہی اوڑھ لی
 پھر یہ ہوا اندھیروں سے ہم لوگ پہ گئے
 بھٹکار ہاتھ جب بھی ہمیں میرے کارواں
 کچھ لوگ راستے میں ہمیں دفعتاً ملے
 تنہائیوں میں سوچتے رہنے کے باوجود
 زنداں میں اپنے حوصلے کچھ اور بھی بڑھے
 وابستہ بہارِ تمنا نہ تھے کبھی
 فصلِ بہار آئی تو ہم لوگ ہنس پڑے
 ہم ڈوبتے ابھرتے رہے تاجِ عمر بھر
 ساحل پہ جن کو رہنا تھا ساحل پہ ہی ہے





گلستاں زیرِ دام ہوتے ہیں
 ایسے بھی کچھ مقام ہوتے ہیں
 منزلوں کا تشاں بھی ملتا ہے
 پتھروں پر بھی نام ہوتے ہیں
 مجھ کو اپنی خبر نہیں ہوتی
 آپ جب ہم کلام ہوتے ہیں
 آپ آتے ہیں جب مرے گھر میں
 رات دن خوش خرام ہوتے ہیں
 سچ تو یہ ہے خوشی کے کچھ لمحے
 دردِ دل کا پیام ہوتے ہیں
 تاجِ لوسا مٹا ہے منزلِ سوا
 فاصلے اب تمام ہوتے ہیں





بچھڑ گئے ہیں کئی لوگ سکارواں کی طرح
کوئی مقام نہیں تھیکہ آستان کی طرح

اڑے اڑے سے ہیں تیکہ خیال کے طائر
زمین دل کی ہماری ہے آسماں کی طرح!

ہمارے ساتھ زمانے کو جاگنا ہو گا
ہمارے خواب جو بکھریں گے آشتیاں کی طرح

وہ الجھنیں ہیں کہ تم سا کوئی نہیں رلتا
یہ زندگی ہے محبت کی داستاں کی طرح

بتاؤ کونسے جذبے کا ہسم یقین کریں
خلوص، پیار، محبت تو ہے گماں کی طرح

ابھی تو زخیم و فاؤں کے بھر نہیں پائے
ابھی مہکتا ہے دل اپنا گلستاں کی طرح

چھپا لو تاج تم اشکوں کو اپنی آنکھوں میں
نہیں یہ پھول نہ بن جائیں کہکشاں کی طرح





لیوں یہ نام ترا آیا جب دُعا کی طرح
خوشیاں بھی لگیں تجھ کو اک صدا کی طرح

زمانے والے سمجھی ہم سے مطمئن نہ رہے
یہ زندگی بھی ملی ہے ہمیں سنا کی طرح

ہمارے جیسا نہیں ہو سکا کوئی محفل میں
سہے سجا ذکر مگر حرف آشنا کی طرح

ہمارے دل کو تسلی ذرا نہیں ہوتی
ترے سلوک میں شامل ہے کچھ تجھ کی طرح

مرے وجود سے موسم بدلتے رہتے ہیں
برستے رہتے ہیں آنسو بھی تو گھٹا کی طرح

ہر ایک غم سے ہمیں مل گئی نجات اتنے آسان
ہوا ہے نہ ہر ہمارے لئے دوا کی طرح





اس ضبطِ مسلسل سے ہر زخم ہرا ہوگا
 یہ دردِ محبت ہے کچھ اور سوا ہوگا
 تنہائی کی راہوں میں یہ سوچ کے چلتے ہیں
 دو چار قدم آگے کوئی تو کھڑا ہوگا
 زنداں میں اسیروں کا ہے شورِ فغاں جاری
 کیا جانے ہواؤں نے کیا ان سے کہا ہوگا
 اب دل کے دھڑکنے کا اندازہ ہی ایسا ہے
 یا آپ گئے ہونگے، یا درد اٹھا ہوگا
 اس ترک و فاس کا غم ملنا تھا ہمیں تم سے
 یہ زخمِ تمنا بھی تم نے ہی دیا ہوگا
 اس سوچ میں بیٹھے ہیں اے تارِ بیاباں میں
 کس طرح بہاروں کا آغلا ہوا ہوگا





کچھ دن سے میرے دل کو خدا جلنے کیا ہوا
 ہے جادہ حیات بھی صحرایہ بنا ہوا
 یلکے ہیں بھیگی بھیگی سی دامن ہوا ہے نم
 بہتے لگا ہے درد کا دریا رُکا ہوا
 اب تازہ روشنی کے لئے جائیں ہم کہاں
 محفل میں اک چراغ ہے وہ بھی بجھا ہوا
 اکثر دکھائی دیتا ہے وہ جانے کون ہے
 خاموش گھر کے سامنے کوئی کھڑا ہوا
 فصل بہار آئی ہے، زنداں میں شور ہے
 شاید قفس سے آج کوئی پھر رہا ہوا
 ہم انتظارِ صبح میں تھے نیند آگئی
 آنکھیں کھلیں تو دیکھا اندھیرا بڑھا ہوا
 پتھر کے تاج آپ پر ستارے کیوں ہوئے
 جو ہاتھ میں تھا آپ کے آئینہ، کیا ہوا





زندگی آج بھی ہے آس کا دریا جیسے
 ایک لٹے ہوئے دل کی ہو تمنا جیسے
 چشم تر لے کے یہاں لوگ ہنسا کرتے ہیں
 زندگی کیا ہے، غم دل کا تماشہ جیسے
 آج تک ہم بھی طلبکار عنایت ہی سے
 خواب پھر خواب ہے، ہر حال میں دھوکہ جیسے
 سوزشِ دل کی کئی دن سے یہی حالت ہے
 دھوپ میں جلتا ہوا چٹا ہو دریا جیسے
 میری تنہائی کا عالم ہے سفر میں ایسا
 چاندنی رات میں بھٹکا ہوا اندھیرا جیسے
 تاج کچھ لوگ ابھی ہم سے خفا رہتے ہیں
 آپ کی بزم میں پھر دل ہے اکیلا جیسے





جب موسم بہار سے کچھ واسطہ نہ تھا
یادوں کی دادیوں میں کوئی ٹھل کھلا نہ تھا

کچھ لوگ ہم پہ کتنے ہی احسان کر گئے
ہم اُن کو بھول جائیں گے یہ حوصلہ نہ تھا

ہم تو تمام عمر ترے ساتھ ساتھ تھے
اے یادِ خوشگوار! کوئی فاصلہ نہ تھا

ہم داستان لکھنے لگے، میں حیات کی
ہاتھوں میں اس سے پہلے کبھی آبلہ نہ تھا

موجوں کے ہی طفیل میں ساحل پہ آ گئے
کشتی تھی اپنی لٹنی ہوئی، ناخدا نہ تھا

اے منزلِ حیات تجھے پا چکے ہیں ہم
خالاتکہ راستے میں ترانقشِ پا نہ تھا

شبنم مزاج کہتے تھے سب لوگ جھکو تاج
جب گرمی منظر سے مراد دل چلا نہ تھا





غم کی خاموش فضاؤں سے نکل جاتی ہے
 تشنگی جب کبھی احساس میں ڈھل جاتی ہے
 غالباً بے مرے دامن کی یہ خوشبو کا اثر
 فصلِ گل دیکھ کے اکثر تجھے جل جاتی ہے
 روشنی کی طرح آنکھوں میں چھپا لے اُسے
 شمع جلتی ہے مگر روزہ پگھل جاتی ہے
 آپ کا لہجہ کبھی اس طرح پہلے تو نہ تھا
 بات کرتے ہیں تو آواز بدل جاتی ہے
 رنگ سب دل کے اُفق پر جو بکھر جاتے ہیں
 دھوپ یادوں کی چٹانوں سے پھسل جاتی ہے
 جانتے ہم بھی ہیں یہ دورِ تمنّا ہے قریب
 زندگی تاجِ بہرِ حال پہنچا جاتی ہے





ہم تجھ کو ہر اک رُت میں صدا دیتے رہینگے
 اے نسبتِ دیرینہ! دُعا دیتے رہینگے
 تم دامنِ مڑگاں کو بھگوئے ہوئے رکھنا
 ہم درد کے شعلوں کو ہوا دیتے رہینگے
 دیکھیں تو یہاں کمر تلہ ہے اب کون دفائن
 سب اہلِ حق، درسِ وفادیتے رہینگے
 تم کو تو فقط اپنے سیفِ سب سے ہے مطلب
 جو ڈوبنے والے ہیں صدا دیتے رہینگے
 ہو کوئی بھی موسم ہمیں کچھ فکر نہیں ہے
 کانٹوں کو بھی ہم رنگِ جنا دیتے رہینگے
 تم خونِ جگر سے یوں ہی لکھتے ہی رہو تاج
 ہم رنگِ فسانے کو نیا دیتے رہینگے





لیجئے ہمارا غم بھی اب مشہور ہو گیا
 آنسو بہاتے رہتا بھی دستور ہو گیا
 میرا دوا آپ سے ممکن نہ ہو سکا
 جو زخم دل میں تھا وہی تاسور ہو گیا
 پل بھر میں ایک برق سی لہر اکے رہ گئی
 میرا چمن کچھ ایسا جلا، طور ہو گیا
 ہم بھی غبارِ راہ کی مانند ہو گئے
 منزل کی طرح راہ نما دور ہو گیا
 ٹوٹے رستم جو پھولوں پہ شبیم سے پوچھئے
 اتنی بہار، یا غباں مسرور ہو گیا
 دھندلا سا ہو گیا تھا ہر اک گوشہ حیات
 وہ تاج تیکہ نام سے پرنور ہو گیا





جب مرے شہر میں اُجالے تھے
 زخم پاؤں میں اور نہ چھالے تھے
 آبرو پھر سفہ کی کیا رہتی
 رہنما خود بٹھکنے والے تھے
 ہم کو لطف بہار کیا معلوم
 پھول گلچیں نے توڑ ڈالے تھے
 جاتے کیسے اُلجھ گیا دامن
 خار پاؤں سے تو نکالے تھے

بس یہی تھا ہمسارا سرمایہ
 کچھ کتابیں تھیں، کچھ رسالے تھے
 تاج کوئی ملا نہ اپنی طرح
 ساری دنیا سے ہم نہالے تھے





کچھ لوگ زندگی سے یوں بے خبر ملے
منزل ملی نہ اُن کو کبھی راہِ بدلے

کیا کیا ملا قفس میں ہمیں کچھ نہ پوچھیے
سانسیں ملیں، حیات ملی، بال و پر ملے

کچھ روز و شب طویل تھے کچھ زندگی بھی تھی
افسانے تیکر میرے مگر مختصر ملے

اب اہتمامِ فیضِ مسیحائی کچھ نہیں
جب زحمتِ منزل ہوئے تب چارہ گر ملے

ایسا بھی اتفاق کبھی ہوا خدا کرے
اپنے مکان کے بدلے ہمیں تیرا گھر ملے

آنکھوں میں اپنی اب تو کوئی خواب بھی نہیں
سارے چراغ بجھ گئے، اب تو سحر ملے

بچھڑے ہوئے اے تاجِ زمانہ ہوا مگر
کس کو یقین تھا ملنے کا، ہم تم مگر ملے





گرم جھونکوں سے یہ سچ ہے کہ پریشاں ہم تھے
فصلِ سحر آئی تو پھر چاک گریباں ہم تھے

اب تو سب لوگ، ہیں اہل جنوں کہتے ہیں
اس لئے آپ کے غم سے بھی گریزاں ہم تھے

ہم کو فخر کی طرح دور نہ پھینکے کوئی
سچ یہی ہے کبھی نزدیکِ رگِ جاں ہم تھے

مجھ گئے شمعوں کی مانند تو کچھ بات نہیں
چاندنی رات، صبا، اور گلستاں ہم تھے

تم کو معلوم نہیں، ہم ہی بتائیں گے تمہیں
شہرِ محفوظ ہے وہ جس کے نگہباں ہم تھے

آپ سے ملنے کی ہم کو بھی تمنا تھی بہت
آپ سے مل کے مگر کتنے پشیمان ہم تھے

دیکھنا تاج کبھی یاد ہم آئیں گے تجھے
یہ حقیقت ہے سربِ نرم نمایاں ہم تھے





یہ رسم بہر حال ادا ہو ہی گئی ہے
 ہوئی تھی وفا ہم سے، وفا ہو ہی گئی ہے
 ہم آپ سے پھر آج سناؤں کے ہیں طالب
 دانستہ اگر ہم سے خطا ہو ہی گئی ہے
 ہم لوگ سلیقے سے ہی جیتے ہیں یہاں پہ
 یہ دنیا مگر ہم سے خفا ہو ہی گئی ہے
 ہر روز قیامت ہے تو ہر لمحہ مصیبت
 یہ زندگی اب جیسے سنا ہو ہی گئی ہے
 چاہا تھا مرے دل نے کرے تجھ سے شکایت
 ہونٹوں پہ مرے آکے دعا ہو ہی گئی ہے
 اے تاج نہیں تجھ سے جفاؤں کا گلہ کچھ
 ہم سے بھی مگر آج جفا ہو ہی گئی ہے





آئینِ وفا ہم کو جو سکھلانے چلے ہیں
 اندازہ اُنھیں کیا، کیسے سمجھانے چلے ہیں
 مالک تو کرم کرنا مرے دوقِ سفر پر
 کچھ لوگ مجھ کانٹوں میں اُلجھانے چلے ہیں
 ہونٹوں پہ تہِ سیم کو سجائے ہوئے رہ کھئے
 پھولوں کی طرح دل کئی مڑجھانے چلے ہیں
 انجِام اب اس کا حُدا جاتے کہ کیا ہو
 ہم دل کو تو می بزم میں بہلانے چلے ہیں
 اب کام نہیں آئیں گے یہ دستِ ہمت بھی
 آئینے، اب آئینوں سے ٹکرانے چلے ہیں
 خود آپ کی آنکھوں میں اُٹھ آئیں گے آنسو
 ہم زخمِ جگر آپ کو دکھلانے چلے ہیں
 اے تاجِ ذرا دیکھ سیرِ دارہ میں ہم بھی
 ہم لوگ وفاؤں کی سزا پانے چلے ہیں





غبارِ راہ کو ہم راہبہ بھی کرتے ہیں
 رُکے ہوئے ہیں مگر، ہم سفر بھی کرتے ہیں
 چلے ہیں جانبِ منزل تو بے نیازانہ
 ہم آیلوں پہ کبھی اک نظر بھی کرتے ہیں
 یہ جانتے ہیں جفا آپ خود نہیں کرتے
 ہم آپ کی یہ خطا درگزر بھی کرتے ہیں
 یہ اور بات کہ شب کسی طرح کٹی ہو گی
 شبِ فراق کے مارے سحر بھی کرتے ہیں
 سمجھی تو موسمِ گل کی خبر نہیں ہوتی
 کبھی تو دل پہ نظر اے اثر بھی کرتے ہیں
 بہت گلہ ہے ہمیں تاجِ اپنی سانسوں سے
 تمھاری یاد میں کچھ دن بسر بھی کرتے ہیں





زندگی جب بھی مری ذات سے ٹکرائی ہے
میں نے ہر غم کو بھلانے کی قسم کھائی ہے

اب تو ہر تارِ نفس نامِ تیرا لیتا ہے
سانس لیتا بھی مرا باعثِ رسوائی ہے

قص کرتے ہیں کئی شعلے نشیمن میں ابھی
چشمِ پرہیزگار بھی گلستاں میں تماشاں ہے

ہم کو معلوم ہے منزل نہ ملے گی لیکن
شوق تو آج بھی منزل کا تمنا ہے

زندگی! تیری طرح ہم بھی پریشاں ہیں بہت
بے خطا ہم نے یہاں رہ کے سزا پائی ہے

تاجِ دامن میں ترے چاند ستاروں کا ہجوم
مجھ کو لگتا ہے کوئی شام اتر آئی ہے





خواہش تو یہی ہے کہ کئی پھول کھلا دوں
صحرایہ کو گلستانوں کی مانند سجا دوں

دیکھو میرا دامن یہاں پھولوں سے بھرا ہے
جی چاہتا ہے موسم گل کو میں دُعا دوں

تو نے غم دوراں مجھے دیوانہ کیا ہے
کیا ہو جو اگر تجھ کو میں دیوانہ بنا دوں

تاریکیاں محفل کی تری یاد ہیں مجھ کو
سُوجھا تو یہی تھا کہ چراغوں کو بجھا دوں

کچھ لوگ مرے غم کا مداوا تو کریں گے
اے داغِ تمنا! تجھے میں کیسے بھُلا دوں

تیری ہی طرح میری بھی اب شکل ہوئی ہے
اچھا ہے کہ اب ہاتھ سے آئینہ گرا دوں

معلوم ہے لے تاج کہ قاتل ہے یہاں کون
مشکل تو یہی ہے کہ میں کس کس کو سزا دوں



کب میں نے یہ کہا کہ کہیں رنگ و بو نہ ہو
 لیکن خدا کرے تہا دامنِ رفو نہ ہو
 اے زندگی، تو آج ہی جی بھر کے بات کر
 شاید کہ تجھ سے اپنی کبھی گفتگو نہ ہو
 آج کہ پاس جا کے ذرا ہم بھی دیکھ لیں
 سمجھے ہیں ہم سراب جیسے، آب جو نہ ہو
 اے زندگی! نہ چانا کبھی اُن کی بنہ م میں
 میری طرح سے تو بھی کہیں کو نہ ہو
 حسنِ خیال، عہدِ وفا سب فریب ہے
 وہ دل بھی کوئی دل ہے جہاں آرزو نہ ہو
 کس طرح پاسکے گا وہ منزل کو اپنی تاج
 رختِ سفر ہو ساتھ مگر جستجو نہ ہو





منزل نہیں، سرب نہیں، راستہ نہیں
 اس پر بھی اپنے ساتھ کوئی رہ نہا نہیں
 کیوں آپ اپنا چہرہ چھپاتے ہیں بار بار
 دل کو ہمارے دیکھئے کیا آئینہ نہیں
 خوش فہمیوں کی ویسے بھی عادت ہے کیا کریں
 ہم خوش گمان سمجھے کہ توبے و فنا نہیں
 ہیں آپ مسکے ساتھ تو اک عمر سے مگر
 لیکن یہ بات اور کہ غم آشنا نہیں
 جذبوں کی قدر کرنے کو جی چاہتا تو ہے
 عہدِ وفا کا پھر بھی بھر دے ذرا نہیں
 آتی ہیں اب بھی یاد چمن کی فضا میں تاج
 گھٹتا ہے دم قفس میں کہ باد صبا نہیں





کس نے کہا تھا آپ سے زحمت اٹھائیے
 دستک دیئے بغیر مرے گھر میں آئیے
 موسم کی بے رخی نہیں، طوفاں کا ہے سواں
 کشتی کو جلنے دیجئے، ساحل بچائیے
 غم کی اندھیری راہ سے گھرا رہے ہیں آپ
 پہلے چہرا غم پر وفا تو چلائیے
 رہبر کی یہ تلاش بھی بے کار جائے گی
 منزل کو ڈھونڈنا ہم تو رستے بنائیے
 تکین دل کے واسطے یہ بھی ہے اک علاج
 تنہائیوں میں میری غزل گنگنائیے
 دیوانگی شوق کا حاصل یہی ہے تاج
 پھولوں کو چھوڑ دیجئے، کانٹے اٹھائیے





میری کشتی کے کچھ مقابل ہو
موج طوقاں نہیں تو ساحل ہو

غم مجھے دے دیا زمانے نے
کچھ نہ کچھ زندگی کا حاصل ہو

بھیر ہے میرے عمک ساروں کی
کیا غمہ کون اس میں قاتل ہو

صرف اب رقص کرتے رہنا ہے
شورِ نعمت ہو یا سلاسل ہو

بھول جاتا تو میرے بس میں نہیں
تم مرعہ داستاں میں شامل ہو

ہو گئی مجھ کو زندگی آساں
خوف تھا مجھ کو یہ نہ مشکل ہو

تاجِ آئینہ دل ہے یہ لیکن
کوئی چہرہ تو اس کے قابل ہو





آئینوں سے سوا ہوئے ہیں ہم
 آپ ہی کی ادا ہوئے ہیں ہم
 یہ خموشی ہے اپنی سکویائی
 لوگ سمجھ، خفا ہوئے ہیں ہم
 آپ ہم سے چمن کی بات کریں
 موسم گل، صبا ہوئے ہیں ہم
 بڑھ گئے ہیں اندھیرے دنیا میں
 آپ سے جب جدا ہوئے ہیں ہم
 آپ کی سمت لوٹ آئیں گے
 گنبدوں کی صدا ہوئے ہیں ہم
 محوِ حیات ہے ہم پر یہ دنیا
 کیا ہٹائیں کہ کیا ہوئے ہیں ہم
 کہہ رہے ہیں یہ مہر و ماہ و نجوم
 تاج تم پر فردا ہوئے ہیں ہم





گم کرنے لگا ہے ہاتھ سے آئینہ تھام لے
 اے یادِ خوشگوار، نہ اب انتقام لے
 تھک کر نہ بیٹھ جائیں کہیں رہروانِ شوق
 گم ہو نہ جائیں قافلے، منزل کا نام لے
 وابستہ بہار ابھی ہم نہیں مگر
 ہر پھول کہہ رہا ہے میرا سلام لے
 یہ گردِ شمسِ حیات کبھی رک ہی جائے گی
 آواز دے کسی کو یا مجھ ہی کو تھام لے
 خود داری کہہ رہی ہے کہ دلِ تشنہ لب رہے
 اور پیاس کہہ رہی ہے کہ ہاتھوں میں جام لے
 دیوارِ گم ہی جائے گی اے تلجِ درد کی
 تو موجِ انقلاب ہے، ہمت سے کام لے





کون کہتا ہے صحن گلشن ہے
 دیکھئے تا! ہمارا دامن ہے
 آرزو کے گلاب کھلتے ہیں
 دل ہمارا گلوں کا مکن ہے
 چاندنی دور تک نہیں لیکن
 مسکے دل کا مکان روشن ہے
 موسم گل کی مہربانی سے
 شاخ ہے، پھول ہیں، تشیمن ہے
 دیکھئے آپ میری پلکوں کو
 چاند تاروں کی جیسے چلن ہے
 بس کا کوئی سرا نہیں ملتا
 زندگی تاج لسی اُلجھن ہے





تری انجمن کیا تماشا نہیں ہے
پدائے میں سب کوئی اپنا نہیں ہے

سبھی چہرے لگتے ہیں اب اجنبی سے
یہاں کوئی بھی مسکے جیسا نہیں ہے

تقسیم ، تکلم ، تصور ، تمتا
مرے دل کی دنیا میں کیا کیا نہیں ہے

ابھی تک مری ہمسفر ہے خموشی
کہنے نے بھی مجھ کو پکارا نہیں ہے

ہے اب سانس لینا بھی مجبوری میری
مجھے زندگی کی تمتا نہیں ہے

مرے ساتھ رہتا ہے تیرا تصور
مرا دل کہیں بھی اکیلا نہیں ہے

ابھی تاج شمعیں جلاؤں میں کیسے
ابھی تو کہیں بھی اندھیرا نہیں ہے





تم نے اپنا بنا کے چھوڑ دیا
ایک طوفاں اٹھا کے چھوڑ دیا

اُس کا مفہوم ہم کو سمجھا دو
جو فسانہ سنا کے چھوڑ دیا

وہ ترستا رہا اُحابلوں کو
جس نے گھر کو بلا کے چھوڑ دیا

یہ لعین تھا کہ کوئی آئے گا
ہم نے گلشن سجا کے چھوڑ دیا

دامن گل تھا اُن کے ہاتھوں میں
جانے کیوں مسکرا کے چھوڑ دیا

تم نے پائی بہار کی منزل
ہم کو محسرا میں لا کے چھوڑ دیا

تاج ایسا کہا ہے کیا تم نے
اک جہاں کو رُلا کے چھوڑ دیا





انتظارِ سخن تو کرنا ہے
 رات کچھ ہو بسر تو کرنا ہے
 کوئی منزل ہمیں ملے نہ ملے
 ساتھ اُن کے سفر تو کرنا ہے
 پھر کوئی بھی نہ ٹھوکر میں کھائے
 صاف اب رہ گزار تو کرنا ہے
 زخم کس نے لگائے کیا معلوم
 یہ خطا درگزر تو کرنا ہے
 وہ جو مہرِ انور میں اُن کو
 فصلِ گل کی خبر تو کرنا ہے
 تاج کچھ راستے میں پتھر ہیں
 ان پہ بھی اک نظر تو کرنا ہے





مہر کی سر زین گلوں سے سنور گئی
 آخر ہمارے درد کی خوشبو بکھر گئی
 بھیگی ہوئی سی ریت میں موتی بھی دفن تھے
 ساحل پہ آکے موجِ بلا بھی ٹھہر گئی
 آسودہ ہو چکی تھی تری چشمِ نم مگر
 مسکے غمِ حیات کا یہ میاں بھر گئی
 لے کر پیامِ زندگی پھر آگئے ہیں آپ
 جب ساعتِ حیات ہماری گزر گئی
 کس کو خبر کہ کیسے ہوئی ہم سے یہ خطا
 دل کے درق پہ آپ کی صورت اتر گئی
 جلنے لگے ہیں آپ کی آنکھوں میں بھی چراغ
 اس طرح اپنی شامِ تمنا سنور گئی
 آہٹ پہ چونکتے رہے ہم تاجِ بار بار
 عالم میں انتظار کے اپنی گزر گئی





انتظارِ سحر سے پہلے بھی
 کچھ حبلِ ہے شر سے پہلے بھی
 تذکرہ تھا مرا زمانے میں
 ذکرِ شمس و قمر سے پہلے بھی
 یہ الگ بات راہ بھول گئے
 آپ گزرے ادھر سے پہلے بھی
 طے ہوا جیسے مٹنوں کا سفر
 یوں ہوا ہے سفر سے پہلے بھی
 روز و شب جستجو کی راہوں سے
 ہم چلے راہِ بر سے پہلے بھی
 تاج ہم ہو گئے ہیں شہِ منہ
 آپ کی چشمِ تر سے پہلے بھی





کسکدہ ہے اب شکوہ ، گلہ تم بھی خوش اور ہم بھی خوش
 پوری ہو گئی رسم وفا تم بھی خوش اور ہم بھی خوش
 شبنم کو پلکوں پہ رکھو دامن میں ہم پھول رکھیں
 گلشن ہونہ باد صبا تم بھی خوش اور ہم بھی خوش
 آنکھوں سے جب برسیں آنسو کتنے دامن بھیگ گئے
 سب کو یہ محسوس ہوا تم بھی خوش اور ہم بھی خوش
 غم کی شمعیں روشن تھیں کانٹوں پر ہم چلتے تھے
 پھر بھی دنیا سے یہ کہا تم بھی خوش اور ہم بھی خوش
 بھیگی بھیگی بیت پہ ہم نام تمہارا لکھتے ہیں
 طوفاں آکر لوٹ گیا تم بھی خوش اور ہم بھی خوش
 تاجِ ابہت ہی شکل تھا غم کی فضاؤں میں جینا
 آہی گئی جینے کی ادا تم بھی خوش اور ہم بھی خوش

